© rasailojaraid.com

اجمل خٹک شاعری و سیاست

ڈاکٹر فضل الرحمان

خاندانی پس

اجمل خٹک پختونوں کے مشہور قبیلے خٹک سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو لقمان برھان کی اولاد ہیں اور جن کا سلسلہء نسب سر ماہ بن تک پہنچ کر پٹھانوں کے جدِ اعلیٰ قیس عبدالرشید تک منتہی ہوتا ہے۔ لقمان کا نام ایک واقعہ کی بناء پر خٹک پڑ گیا اور آج تک اس کی تمام اولاد اسی نام سے پکاری جاتی ہے۔ خٹکوں کا قدیمی مسکن کوہ شوال تھا جو کوہ سلیمان کے مغربی سلسلوں میں سے ایک ہے۔ لیکن شیتکوں نے جب منگل اور ھنی قبائل پر چڑھائی کی تو خٹک بھی نہر راونڑ کو خیر باد کہہ آئے اور کر بوغہ، بیٹری، چوترہ، لاچی، شکر درہ سے لیکر دریائے نیلاب تک آباد ہو گئے۔ ایک جنگ میں (جو بنگش اور اورکزئی قبائل کے درمیان ہوئی تھی اور جس میں خٹکوں نے بنگش قبیلے کا ساتھ دیا تھا) ریسی، پٹیالہ، زیڑہ، تورہ اور خوڑہ کا سارا علاقہ خٹکوں نے اپنے قبضے میں کر لیا تھا اس علاقے میں وہ ایسے پھلے پھولے اور اتنی ترقی کی کہ آج ان کی آبادی صوابی سے علاقہ یوسف زئی میں دریائے کابل کے شمالی کناروں سے لے کر بنگش اور آفریدی قبائل اور دوسری طرف کالا باغ، عیسیٰ خیل، مروت اور ضلع بنوں کے وزیری قبائل سے ہوتی ہوئی دریائے سندھ کے مغربی کنارے تک پھیلی ہوئی ہے۔ اندازہ ہے کہ خٹک کے مقبوضہ علاقے کا رقبہ جنوباً دریائے کابل سے نمک کے جنا پہاڑوں تک طولاً سو میل اور شرقاً غرباً عرض میں چالیس میل بنتا ہے۔ ایک شاخ جو ساغوری خٹک کہلاتی ہے، مکھڈ سے لیکر جنوبی اطراف میں پھیلی ہوئی ہے۔ تارو، اُرمڑ، ڈاگ اسماعیل خیل، صالح خانہ، جہانگیرہ، جلوزئی، خویشکی کلاں، پیر سباق، اکوڑہ، شیدو، جہانگیرہ، لاہور، خیر آباد، ماندوری اور نظام پور وغیرہ خٹکوں کے مسکن ہیں۔ مشرقی سرحد میں بسنے والے خٹک اکوڑہ سے جنوب میں اور مغرب والے ٹیری کے خٹک کہلاتے ہیں۔ پشتو کے مشہور شاعر خوشحال خان اور اُس کے پوتے کاظم خان شیدا کا تعلق خٹک قبیلے سے تھا[1]۔ ان کے علاوہ عبدالقادر خان خٹک (۱۰۶۱۔۱۱۱۴)، صفدر خان خٹک، الف جان خٹک، افضل خان خٹک (۱۱۸۴) بابو امیر علی خان خٹک وغیرہ اس قبیلہ کے مشہور ادیب، شاعر اور نثر نگار گزرے ہیں۔[2]

بچپن

اجمل خٹک ۱۹۲۶ء میں اکوڑہ خٹک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام حکمت خان تھا[3]۔ جو ایک قوم پرست اور وطن دوست فرد تھے۔ انہی سے آپ کو قوم پرستی ورثے میں ملی۔ اجمل خٹک نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ آپ کی ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھوپھی کو پشتو ادب پر عبور حاصل تھا انہوں نے گھر میں اُنکی تعلیم قرآن کا انتظام کیا تھا۔ پشتو ادب کے حوالے سے بہت کچھ آپ نے اپنی پھوپھی سے حاصل کیا۔ بقیہ دینی تعلیم گاؤں کی مسجد میں حاصل کی جہاں آپ نے گلستان، بوستان، جنگ نامہ اور دیگر ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ آپ نے مڈل تک تعلیم گاؤں کے سکول میں حاصل کی[۴] مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے پشاور گئے۔ آپ کو اپنی تعلیم ادھوری چھوڑنی پڑی۔ یہ برصغیر پاک وہند کا پرآشوب سال ۱۹۴۲ء تھا جب ''ہندوستان چھوڑ دو'' کی تحریک چل رہی تھی۔ آپ نے بھی اس تحریک میں حصہ لیا اور تعلیم کو وقتی طور پر خیر باد کہا۔ بعد میں آپ نے پرائیویٹ میٹرک کا امتحان دیا، اسی طرح پرائیویٹ طور پر منشی فاضل، ادیب فاضل، پشتو آنرز اور ایم اے فارسی امتحانات پاس کیئے۔

اکوڑہ خٹک سڑک کے کنارے واقع ہے اس لئے ہندوستان سے جتنے بھی سیاسی لیڈر آتے، حکمت خان (آپ کے والد) کے حجرے میں ضرور قیام کرتے۔ خان عبدالغفار خان نے جب ''خدائی خدمتگار'' تحریک کا آغاز کیا تو وہ بھی اپنے سیاسی دورے کے دوران یہاں ٹھہرتے رہے۔ اسی طرح مولانا ظفر علی خان، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری اور منشی احمد دین نے بھی اُن کے حجرے میں قیام کیا۔ ان لیڈروں کی آمدورفت نے اکوڑہ خٹک کے لوگوں کو سیاسی شعور دیا۔ گاؤں کے جو لوگ مالی لحاظ سے مستحکم تھے وہ مسلم لیگ میں شامل تھے جبکہ دوسرا گروہ جو مالی لحاظ سے کمزور تھا، سیاسی طور پر خان عبدالغفار خان کی سیاست سے متاثر تھا۔ حکمت خان کا حجرہ انگریز مخالف گروہ کا گڑھ تھا۔ اس طرح انگریز دشمنی آپ کو ورثے میں ملی۔ سیاسی فضا کے ساتھ ساتھ اکوڑہ خٹک گاؤں کا ماحول شاعرانہ تھا۔ اجمل خٹک کے بزرگ خان بہادر زمان خان اور ھاشم بابا اچھے شاعر اور ادیب تھے۔ حکمت خان کے حجرے میں ہر رات محفل سجتی اور کریم بابا، رحمان گل وغیرہ آکر مشاعرے کی محفل سجاتے۔ اکثر موضوع خوشحال خان خٹک کی شاعری ہوا کرتی۔ اس ماحول نے آپ کے مزاج میں شاعرانہ اور ادیبانہ حس پیدا کی۔ سکول کی زندگی نے اس شوق کو مزید تیز کیا۔ جب اساتذہ اشعار لکھوا کر آپکو مشاعروں میں شریک کرواتے۔ اجمل خٹک خود ایک واقعہ سُناتے ہیں کہ میں جب چھوٹا تھا تو ہمارے حجرے میں پختون رسالہ آیا کرتا تھا، میں اسے پڑھتا اور اس میں جو نظمیں درج ہوتیں، اُنہیں خدائی خدمتگار تحریک کے جلسوں میں سنایا کرتا۔ ان تمام چیزوں نے مجھے روایتی شاعری چھوڑنے اور انقلابی شاعری شروع کرنے کی طرف مائل کیا۔[۵]

عملی زندگی

اجمل خٹک نے اپنی عملی زندگی کا آغاز ایک اُستاد کی حیثیت سے کیا۔ دوران ملازمت آپکو زیارت کا کا صاحب، بدرشی، پیر پیائی، چارسدہ اور اکوڑہ خٹک کے سکولوں میں پڑھانے کا موقعہ ملا۔ چونکہ وہ کانگریسی خیالات کے مالک تھے۔ اس لیے حکومت نے بھی اُنہیں ٹک کر بیٹھنے اور سکون سے پڑھانے کا موقع نہ دیا۔ تنگ آکر آپ نے سکول کی سرکاری ملازمت کو خیر باد کہا اور پھی کے ایک پرائیوٹ سکول، نیشنل ہائی سکول میں ملازمت شروع کی۔ آپ جب اُستاد تھے تو اُس وقت دیگر ساتھیوں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمراہ آپ نے ۱۹۴۳ء میں پشتو بزم ادب کی بنیاد ڈالی۔ اس بزم میں عظیم شاہ خیال، شیر احمد مینوش، میر ارمان رحمٰن غازی، عبدالغفر ان بیکس، راحت گل ثاقب، عجیب الرحمان کسکر وغیرہ شامل تھے۔ بعد میں اس بزم کی شاخیں نوے کلے (تولاندی) میں بھی کھولی گئیں۔ اس کے علاوہ عبدالخالق خلیق صاحب نے نوشہرہ ادبی جرگہ کے نام سے ایک بزم قائم کی تھی، جو پختونوں کی پہلی انجمن تھی۔ اس انجمن میں بھی آپ کام کرتے رہے۔ یہ ملازمت اُس وقت تک جاری رہی، جب آپ نے ریڈیو پاکستان میں کام شروع کیا۔

ریڈیو پاکستان

وہ ریڈیو پاکستان سے منسلک ہوئے۔ اُن کا یہ دور ملازمت بقول اجمل خٹک ایک سنہرا دور تھا۔ اب تک وہ ایک قوم پرست شاعر تھے۔ یہاں آ کر وہ انجمن ترقی پسند مصنفین سے متعارف ہوئے، یہیں آپ احمد ندیم قاسمی، ن م راشد اور باقی صدیقی سے ملے کیونکہ یہ لوگ بھی اُس زمانے میں ریڈیو پاکستان سے منسلک تھے۔ ریڈیو کی ملازمت میں آپ کو سکرپٹ، ڈرامہ نگاری، نظم وغیرہ لکھنے اور انہیں مزید نکھارنے کا موقعہ ملا۔ یہیں ریڈیو پاکستان آ کر آپ کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل مرتب کرنے اور اُس پر عمل کرنے کا موقعہ ملا۔ غالباً ۱۹۴۸-۴۹ میں ایک دفعہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ اکوڑہ خٹک سے پشاور صدر آئے۔ ان کے ایک دوست غلام محمد نے آپکو یہیں ایک بالا خانے میں عطا حسین عطا (جنرل سیکرٹری کمیونسٹ پارٹی صوبہ سرحد) سے ملایا۔ اجمل خٹک کہتے ہیں کہ "مجھے ابھی تک یاد ہے کہ اُس نے ہمیں دو کتابیں دیں۔ ایک کا نام مشین اور انسان اور دوسری کا نام سرمایہ تھا۔ بعد میں عطا حسین عطا ہمیں خود کتابیں پہنچایا کرتے"[۶] اُس مطالعہ سے اُن کی شاعری اور ادب میں ترقی پسندی کا رجحان پیدا ہونا شروع ہوا۔

پشاور میں اُن دنوں عبدالخالق خلیق نے ادارہ اشاعت سرحد کے نام سے کتابوں کی دکان کھول رکھی تھی۔ اجمل خٹک ریڈیو کی مصروفیات سے فرصت کے بعد وہاں بیٹھا کرتے۔ یہاں آپ کے علاوہ دیگر ادیب اور شعراء بھی جمع ہوتے۔ اس کے ساتھ ساتھ فارغ بخاری اور رضا ہمدانی و خاطر غزنوی نے پشاور میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی ایک شاخ کھولی، وہ بھی اس کے ممبر بنے اور اس کے اجلاسوں میں شرکت کرنے لگے انہی افراد نے سنگ میل کے نام سے ایک رسالہ نکالا[۷]۔ اس رسالے میں پختونوں کا ہندوستان کے باقی حصوں سے تعارف کرایا جاتا، اُنہوں نے بھی اس رسالہ میں لکھنا شروع کیا۔ جب انہوں نے پشاور میں رہائش اختیار کی تو فارغ بخاری سے تعلق کی بناء پر آپ کا تعارف صنوبر حسین کاکاجی سے ہوا۔ انہی دنوں دوست محمد خان کامل نے تپ دق سے صحت یاب ہو کر پشاور میں وکالت شروع کی۔ اُس کا بالا خانہ ادبی سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ بعد میں اجمل خٹک، دوست محمد خان کامل، صنوبر حسین کاکاجی، شیدا صاحب اور شیخ محمود نے رحمان بابا کے زیر اہتمام مشاعروں کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا جس نے اولسی ادبی جرگہ کی شکل اختیار کی۔ اس جرگہ کے صدر امیر حمزہ خان شنواری اور سیکرٹری دوست محمد خان کامل تھے۔ یہی جرگہ 'اسلم' رسالہ چلانے لگا۔ اس کے علاوہ یہ جرگہ ہر ہفتہ ادبی تنقیدی اجتماعات کرتا رہا۔ جس میں صوبہ سرحد کے نامور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شعراء حصہ لیتے رہے۔ اس ادبی جرگہ میں دو رجحانات واضح تھے (ا) قوم پرستانہ (ب) ترقی پسندانہ:۔ اجمل خٹک ماضی کے لحاظ سے قوم پرست اور فکر کے لحاظ سے ترقی پسند تھے۔ ریڈیو پاکستان میں ملازمت کے دوران ترقی پسند اُدباء اور قوم پرست شعراء کے ساتھ میل جول اور سیاسی طور پر عوامی نیشنل پارٹی کے ساتھ وابستگی نے آپ کو ایک مقام دیا تھا۔ ان حضرات کی محفل نے آپ کو حکومت مخالف سوچ دی۔

قیام پاکستان: پہلی گرفتاری

قیام پاکستان کے ایک ہفتہ بعد صوبہ سرحد میں ڈاکٹر خان صاحب (سُرخ پوش پارلیمانی لیڈر) کی وزارت ختم کر کے خان عبدالقیوم خان (پارلیمانی لیڈر مسلم لیگ) کو وزارت بنانے کی دعوت دی گئی۔ اُس وقت اسمبلی میں اگرچہ مسلم لیگ اکثریت میں نہ تھی لیکن مارچ ۱۹۴۸ء تک اُس اسمبلی کا کوئی اجلاس ہی نہیں بُلایا گیا۔ اس دوران قیوم خان نے کانگریس کے سات ممبران کو ڈرا دھمکا کر مسلم لیگ میں شامل کرایا۔ اسمبلی میں بجٹ اجلاس کی کامیابی سے گزرنے کے بعد قیوم خان نے وسیع پیانے پر سُرخ پوشوں کو گرفتار کیا اور اس پارٹی پر پابندی لگا دی[۸]۔ اس اقدام کے خلاف خود مسلم لیگ کے اندر پیر آف مانکی شریف نے آواز اُٹھائی۔ قائداعظم کی وفات کے بعد لیاقت علی خان نے دونوں لیڈروں کے درمیان مصالحت بھی کرائی۔ لیکن یہ فضا زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ یہ اختلافات اُس وقت زیادہ شدت اختیار کر گئے جب قیوم خان نے صوبائی مسلم لیگ میں اپنے گروپ کو آگے لانا شروع کیا۔ پارٹی کا نیا صدر، بادشاہ گل، قیوم خان کے گروپ سے تعلق رکھتا تھا۔ مانکی شریف کے احتجاج کو سنٹرل کمیٹی نے بھی نظرانداز کر دیا۔ پیر مانکی صاحب نے اعلان کیا ''یہ قیوم خان مسلم لیگ ہے'' اور اس سے قطع تعلق اختیار کرتے ہوئے ''جناح عوامی مسلم لیگ'' کا قیام کیا۔ قیوم خان، پیر مانکی صاحب کے نکلنے کے بعد صوبائی مسلم لیگ پر پوری طرح چھا گئے ۱۹۵۰ء میں سُرخ پوش تحریک کے علاوہ ۱۹ دیگر تنظیمیں بھی کالعدم قرار دیدی گیئں[۹]۔ اس طرح قیوم خان نے صوبہ سرحد میں ہر اُس تحریک کو کچل دیا جو کسی نہ کسی طور پر اُن کی ذات کے مدمقابل ہو سکتی تھی۔ ان اقدامات کے نتیجے میں سُرخ پوش تحریک نے زیرِ زمین سرگرمیاں شروع کیں[۱۰]۔ یکم اپریل ۱۹۵۳ء کو مسلم لیگی حکومت نے پختون لیگ بنانے کے الزام میں اجمل خٹک کو گرفتار کیا۔ گرفتاری کا پس منظر اجمل خٹک نے خود بیان کیا۔ ''ایک تقریب میں قیوم خان صدر جلسہ تھے میں نے ایک نظم دوبخ زلمی سندرہ (بیدار نوجوان کا گیت) کے عنوان سے پڑھی''۔ جس کے چند مصرعے ذیل میں پیش کئے جا رہے ہیں۔

ساقی ! زما په خوا کښې

مه کړنګوه جامونه

لر کړه دا چنګ و رباب

مه سوروه تارونه

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمہ: (ساقی! میرے قریب جام نہ ٹکرا،، یہ چنگ و رباب دور کر اور رباب کے تاروں کو میرے سامنے تیز نہ کیا کر)

اجمل خٹک جس وقت یہ مصرعے پڑھتے تو قیوم خان کی طرف دیکھ لیتے۔ قیوم خان سمجھ رہے تھے کہ اجمل خٹک کیا کہہ رہے ہیں اور کس سے کہہ رہے ہیں [11]۔ اس کے بعد اجمل خٹک اور اس کے ساتھیوں نے مشاعروں اور ادبی محفلوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کیا جس میں ''اولسی ادبی جرگہ'' کے علاوہ ہمیش خلیل، قلندر مومند، حمزہ شنواری، عبدالطیف وہمی، سیف الرحمٰن سلیم، ولی محمد طوفان، مراد شنواری، وغیرہ شریک ہوتے۔ ان مشاعروں میں حکمرانوں کے خلاف اور عوام کے دلی جذبات کی ترجمانی کی جاتی۔ حکومت یہ سب برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ وہ سٹیج کی اس شاعری کو کچل دینا چاہتی تھی۔ اُس نے پہلے صنوبر حسین کا کا پھر ہمیش خلیل اور آخر میں اجمل خٹک کو گرفتار کیا۔ اس بارے میں خود ہمیش خلیل نے اپنی کتاب پختونہ لیکوال (ص ۳۱۷ تا ۳۳۰) میں پوری تفصیل لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں

''محترم اجمل خٹک یکم اپریل ۱۹۵۳ء کو مسلم لیگی حکومت کے ہاتھوں پختون لیگ بنانے کے الزام میں گرفتار ہوئے۔ اُنہیں اس گرفتاری کے دوران تحصیل نوشہرہ، پبی اور نظام پور حوالات میں پوچھ گچھ کے لیے چار مہینے رکھا گیا۔ عدالت میں جب پیشی ہوئی تو پشاور ہائی کورٹ نے پہلی پیشی پر اکتوبر ۱۹۵۳ء میں اُنہیں دس ہزار روپے کی ضمانت پر رہا کیا۔ لیکن اُسی روز ایک گھنٹہ بعد دوبارہ قانون تحفظ امن عامہ کے تحت گرفتار ہوئے اور چھ مہینے کے لیے پشاور جیل بھیج دیئے گئے۔ ۳۰ جنوری ۱۹۵۴ء کو جب عام سیاسی قیدیوں کی رہائی کا حکم ہوا تو آپ بھی رہا کر دیئے گئے۔ کچھ عرصہ بعد آپ کو دوبارہ گرفتار کیا گیا۔ یہ گرفتاری پولیٹیکل ایجنٹ خیبر ایجنسی کے حکم پر ایک غیر معروف قانون (نارتھ ویسٹ فرنٹیئر کورلا ۱۹۴۱ء) کے تحت ہوئی۔ گرفتاری کے دوسرے دن حکومت کی طرف سے مقدمہ چلانے کا اعلان ہوا لیکن یہ مقدمہ کبھی نہ چل سکا۔ جب اجمل خٹک کو علم ہوا تو آپ کو اس قانون کی بجائے ایک اور دفعہ ۱۵/۱۷ پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کیا گیا۔ اس سلسلہ میں کئی دفعہ آپ کو سٹی مجسٹریٹ پشاور کی عدالت میں پیش کیا گیا لیکن چیف سیکرٹری کی ضد کی وجہ سے ۲۸ اپریل ۱۹۵۴ء کو ایک خفیہ حکم کے تحت ایک غیر قانونی جرگہ کے حوالے کیا گیا۔ جرگہ نے ۱۱۔۱۲۔۱۳ اور ۱۵ مئی ۱۹۵۴ء پشاور کلب میں بغیر کسی وکیل اور دلیل کے مقدمہ چلایا۔ ۱۹ مئی ۱۹۵۴ء کو اجمل خٹک رہا ہوئے۔ حکومت نے قید و ابتلاء کے اس عرصہ میں، اُن کے ساتھ غیر انسانی سلوک روا رکھا۔ اجمل خٹک نے اپنے اس دور کو کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔ دازہ پاگل وم (کیا میں پاگل تھا) میں انتہائی دلسوز انداز میں اُنہوں نے اپنے اوپر روا رکھے گئے ظلم اور قید و بند کی صعوبتوں کو بیان کیا ہے۔ حکومت کا خیال تھا کہ ظلم و ستم کے نتیجے میں یہ تحریک ختم ہو جائے گی۔ لیکن اس سے تحریک کو اور ہوا ملی۔ جیل کے بعد اُنہوں نے جو نظمیں لکھیں، وہ پہلے سے بھی زیادہ انقلابی تھیں۔ جیسے ''زما لمبہ سڑہ نہ شوہ'' (میرا شعلہ سرد نہ ہو سکا) وغیرہ۔ حکومت کے اس ظلم و ستم اور ایک جیل سے دوسری جیل منتقلی سے اجمل خٹک کے مسودات و ریکارڈ کا واضح حصہ ضائع ہوا۔ ''دغیرت چغہ'' کتاب میں اس وقت جو نظمیں درج ہیں وہ اصل ریکارڈ کا ۲۰ فی صد بھی نہیں ہیں۔ اسی طرح اُن کے دیگر کاغذات قبضے میں لے کر تلف کیے گئے۔ شاید ایک شاعر اور ادیب کے ساتھ سب سے بڑا ظلم یہی ہو سکتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔''دغیرت چغہ'' 1958ء میں پہلی دفعہ شائع ہوئی۔اس کی پہلی اشاعت کی ساری کاپیاں حکومت نے ضبط کر لیں [۱۲]۔

حکومت نے آپ کو گرفتار کرنے کے ساتھ ریڈیو پاکستان سے بھی فارغ کر دیا۔جیل سے رہائی کے بعد آپ کراچی کے ایک فرد عثمان سے متعارف ہوئے جس نے 'انجام' نامی اخبار نکالا۔آپ اس کے اُردو سیکشن کے ایڈیٹر بنے۔بعد میں یہی اخبار 'مشرق' کے نام سے مشہور ہوا جو آج کل صوبہ سرحد کے معروف اخبارات میں سے ہے۔اس اخبار کے پشتو سیکشن کے ایڈیٹر مہدی شاہ تھے۔اس دوران ہوا یوں کہ پشاور میں ایک نیشنل کانفرنس ہوئی جس میں نیشنل پارٹی کے قیام کا اعلان ہوا۔اگرچہ وہ انجام کے ایڈیٹر تھے،لیکن اس کانفرنس میں بھر پور حصہ لیا۔اس کا حکومت نے نوٹس لیا اور اسکندر مرزا کے دباؤ میں آ کر مالک نے آپ کو اخبار کی ادارت سے فارغ کر دیا۔[۱۳]

اس دوران ون یونٹ کا منصوبہ بنایا گیا جس کی نیشنل عوامی پارٹی نے مخالفت کی۔اس مسئلہ پر سینکڑوں کارکن جیل بھیج دیئے گئے۔اجمل خٹک کو بھی تین سال جیل کاٹنی پڑی۔جیل جاتے وقت آپ 'بانگ حرم' کے ایڈیٹر تھے۔خان عبدالغفار خان جب جیل سے رہا ہوئے تو آپ نے اُن کے ساتھ سیاسی دورہ کیا۔اور جلسوں میں اپنی نظمیں پڑھتے رہے۔اس وقت آپ نیشنل عوامی پارٹی کے آرگنائزر تھے۔ان دنوں اُنھوں نے بانگ حرم میں ''کچکول'' کے عنوان اور ''ملنگ'' کے تخلص سے لکھنا شروع کیا۔یہ سلسلہ خاصا مشہور رہا۔اُنھوں نے ساتھ ہی ''دازہ پاگل ووم'' (کیا میں پاگل تھا) کتاب مرتب کی۔اجمل خٹک کہتے ہیں کہ ''ابتدا میں جب میں نے روایتی شاعری سے ہٹ کر نئے ڈھب کی شاعری شروع کی تو لوگ میری نظموں کو نہیں سمجھتے تھے۔بعد میں جب لوگوں نے میری نظموں کو سمجھا تو کیفیت یہ ہوتی کہ میں نظمیں سناتا اور لوگ فرطِ جذبات سے ناچنا شروع کرتے۔اجمل خٹک نے تہکال، اکوڑہ خٹک، کلاچی، نوے کلے، بخشالی، زیارت کاکا صاحب، وغیرہ میں متعدد ادبی مشاعرے منعقد کرائے جس میں لوگوں کی اکثریت شریک ہوا کرتی۔'بانگ حرم' کے بعد 'شہباز' نامی اخبار نیشنل پارٹی نے خرید لیا۔آپ اس کے ایڈیٹر بنے اور کابل جانے تک یہ اخبار آپ کی زیرِ ادارت چلتا رہا۔

جلاوطنی

۱۹۷۰ء کے انتخابات کے بعد نیشنل عوامی پارٹی صفِ اوّل کی اپوزیشن پارٹی کے طور پر اُبھری۔ملک کے دونوں حصوں میں اُس نے قومی اسمبلی کی نشستوں کے لیے ۶۴ (چونسٹھ) اُمیدوار کھڑے کیے اور ولی خان کو شامل کر کے اُس کے چھ اُمیدوار کامیاب ہوئے۔صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات میں نیشنل عوامی پارٹی نے صوبہ سرحد میں ۱۳ اور بلوچستان میں ۸ نشستیں حاصل کیں۔[۱۴]

صوبہ سرحد اور بلوچستان میں نیپ کی اکثریت ہونے کے باوجود اُسے حکومت دینے میں ٹال مٹول سے کام لیا جاتا رہا۔بالآخر جب کوئی چارہ نہ رہا تو اسے صوبائی حکومتیں بنانے کا موقع دیا گیا۔نیپ نے صوبہ سرحد میں جمعیت العلمائے اسلام کے ساتھ اتحاد کیا۔یہ حکومت بمشکل نو مہینے چلنے دی گئی۔بھٹو حکومت نے بلوچستان میں جب صوبائی حکومت کو توڑا تو صوبہ سرحد کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکومت احتجاجاً مستعفی ہوگئی۔ اجمل خٹک کے بقول جب نیپ کو اندازہ ہوگیا کہ ''مرکز اُسے تسلیم نہیں کر رہا ہے اور سیاسی عمل میں اُس کے کردار کو غدّاری سے تعبیر کیا جا رہا ہے تو پختون اور بلوچ اس مسئلہ پر سوچنے بیٹھ گئے کہ ہماری حکومت ہونے کے باوجود ہمیں آگے بڑھنے سے روکا جا رہا ہے۔ بلکہ اُلٹا ہمیں گولیوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، بلوچستان میں ہماری حکومت توڑ دی گئی۔ ہمارا احساس تھا کہ اگر ملک کے اندر ہم نے آواز اُٹھائی تو اسے بھی حکومت دبا دے گی۔ پریس، ریڈیو، اخبارات میں کوئی چیز بھی ہمارے حق میں نہ تھی۔ اس دوران ہم نے لیاقت باغ میں عوام تک اپنی آواز پہنچانے کے لیے جلسہ کیا، جس پر فائرنگ ہوئی۔ میں پارٹی کے طے شدہ فیصلے کے مطابق ملک چھوڑ کر افغانستان چلا گیا''۔[۱۵]

اس سے پہلے نیشنل عوامی پارٹی کی طرف سے کہا جاتا رہا۔ کہ ''اجمل خٹک ہمیں بتائے بغیر ملک سے نکل گیا ہے''۔ خان عبدالولی خان پر جب غداری کا مقدمہ چل رہا تھا تو اُس نے اپنے مقدمے کی پیروی کرتے ہوئے سپریم کورٹ میں بیان دیا تھا کہ ''اجمل خٹک جو اُس وقت پاکستان نیپ کا جنرل سیکرٹری تھا، ۲۳ مارچ ۱۹۷۳ء کو لیاقت باغ کے جلسے میں شریک ہونے والے صوبہ سرحد سے آئے ہوئے جمہوری قافلے کا نگران تھا وہ ہم دوسروں کی طرح گولیوں کی بوچھاڑ میں تھا۔ ارباب سکندر خان خلیل کے کہنے کے مطابق اجمل خٹک ایک زخمی نوجوان رضا کار کی طرف جسے گولی لگی تھی لپکا اور اپنی گود میں لے لیا۔ اس نوجوان نے اجمل خٹک کی گود میں جان دے دی۔ اپنے گرد و پیش یہ سب مار دھاڑ اور قتل و خون دیکھ کر اجمل خٹک ارباب سکندر کی طرف مڑا اور کہا ''اس نوجوان کا کیا قصور ہے جو اتنی دور سے قومی رہنماؤں کی تقریریں سننے آیا تھا''۔ اس کے بعد اجمل خٹک نے ارباب صاحب سے پوچھا ''کیا یہ ملک اس قابل ہے کہ اس میں کوئی باعزت اور خوددار آدمی رہ سکے''؟........

''میں جلسے کو ملتوی کرنے کے اعلان کے ساتھ ہی صوبہ سرحد کو روانہ ہوگیا۔ تاکہ ڈرامے کے دوسرے ایکٹ کو شروع ہونے سے روکوں، جو صوبہ سرحد میں پشتون پنجابی فسادات کی صورت میں شروع ہوتا اور اس طرح ان معصوم پشتونوں کے قتل کا بدلہ لیا جاتا۔ اسی اثنا میں ایک ایک کر کے پریشان کن خبریں آنا شروع ہوئیں اور یہ اطلاعات ملنے لگیں کہ تنگ و تاریک گلیوں، نالیوں اور بدروؤں سے لاشیں نکل رہی ہیں۔ صوبہ سرحد کا ہر شخص اپنے عزیزوں، رشتہ داروں کی سلامتی اور اُن کا پتہ معلوم کرنے کے لیے پریشان اور سرگرداں تھا۔ زخمی پشتونوں کو جو ہسپتال میں تھے، ہتھکڑیاں لگا دی گئیں اور اُنہیں ہسپتال کے اندر پولیس کی حراست میں لیا گیا۔ جو پشتون گرفتار کیے گئے تھے اُن کی تعداد سینکڑوں میں تھی۔ اُنہیں راولپنڈی کے مختلف پولیس تھانوں میں بھیج دیا گیا۔ اس بارے میں حکام کوئی معلومات نہیں دے رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ جو گرفتار ہوئے تھے، اُن کے عزیزوں اور پارٹی نے اُنہیں بھی لاپتہ اور غائب سمجھا اور خیال کیا کہ وہ بھی مارے گئے ہیں۔ عدم اطمینان اور بے یقینی کی اس فضا میں ہم نے یکبارگی محسوس کیا کہ اجمل خٹک لاپتہ ہے اور اُن کا سراغ نہیں مل رہا۔ ہم سمجھے کہ غالباً وہ پولیس یا پیپلز گارڈ کے ہاتھ لگ چکا ہے۔ جو اُس وقت جلسہ گاہ میں موجود تھے۔ اس کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ اجمل خٹک ملک چھوڑ گیا ہے۔ پاکستان نیپ کی مرکزی کمیٹی کے پہلے اجلاس میں جو اُس ماہ مارچ کے بعد اسلام آباد میں ہوا۔ نیپ نے اجمل خٹک سے اپنے تمام تعلقات توڑ لیے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سید قصور گردیزی کو ملتان سے سیکرٹری جنرل منتخب کیا۔ یقیناً اس دن سے پارٹی اجمل خٹک کے کسی عمل اور بیان کی ذمہ داری قبول نہیں کر سکتی‘‘۔[۱۶]

کابل میں مصروفیات

اجمل خٹک افغانستان میں ایک طے شدہ منصوبہ بندی کے تحت (۱۹۷۳ء تا ۱۹۸۹ء) ۱۶ سال جلاوطن رہے۔ اس دوران اُن کے بقول آپ کی مستقل مصروفیات درج ذیل تھیں۔

۱- آزاد قبائل میں اتفاق رائے قائم کرنے کے لئے جدوجہد۔

۲- وہاں سیاسی شعور بیدار کرنے کی کوشش اور ان علاقوں میں مدارس، سکول، جرگہ بنانے اور ان سب کو ایک مشترکہ تنظیم میں پرونے کے لیے بھاگ دوڑ کرنا۔ اس کے علاوہ باہر کی دنیا تک پختون قوم کی مظلوم آواز پہنچانا۔ اس مقصد کے لیے اجمل خٹک اور اس کے ساتھ دوسرے پاکستان و افغان دوستوں نے ایک پروگرام مرتب کیا تھا۔ جسے لے کر وہ باقاعدہ آگے بڑھتے رہے

۳- اجمل خٹک کہتے ہیں کہ ’’ہم بتانا چاہتے تھے کہ اگر باچا خان اسمبلی میں پختونستان کی تشریح کرے تو وہ تسلیم نہیں کی جاتی لیکن ہمارے مخالفین اس کی تشریح پروپیگنڈہ کی غرض سے کریں تو وہ تسلیم کی جاتی ہے۔ چنانچہ باچا خان نے محمد علی جناح اور لیاقت علی خان کے سامنے پختونستان کی جو تشریح کی تھی اُسے غلط تسلیم کیا گیا اور ہمارے مخالفین نے ہماری دشمنی میں پختونستان کی جو تشریح کی، اُسے صحیح تسلیم کر لیا گیا۔ یہ بڑا تلخ تجربہ تھا جس سے ہم گزرے‘‘[۱۷] اجمل خٹک کی ذمہ داری تھی کہ کابل میں جتنے ’’ڈیموکریٹک‘‘ ممالک کے سفارتخانے تھے وقتاً فوقتاً اُنہیں صوبہ سرحد کے حالات سے آگاہ رکھے۔ اس سلسلے میں وہ کبھی کبھار افغانستان سے باہر دیگر ممالک کے دورے پر بھی نکل جاتے۔ ساتھ ہی کابل میں پختون عمائدین کے ساتھ بھی آپ کی نشستیں ہوا کرتیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے لندن سے ’’ڈیموکریٹک پاکستان‘‘ کے نام سے پرچہ بھی جاری کیا۔ لیکن بعد میں مالی بحران اور ایڈیٹر پر فالج کے حملے کی وجہ سے یہ رسالہ بند کرنا پڑا۔ قبائل میں مختلف موضوعات پر پرچے اور سرکلر بھی پھیلائے جاتے۔

ثور انقلاب

اجمل خٹک افغانستان ہی میں تھے کہ وہاں فوج نے سردار داؤد کا تختہ اُلٹ کر اقتدار پر قبضہ کیا۔ بعد میں وہاں کی خلق پارٹی کو اقتدار حوالے کیا گیا اور افغانستان کے سرکردہ کمیونسٹ لیڈر نور محمد ترہ کی صدر اور حفیظ اللہ امین وزیر اعظم مقرر کیے گئے۔ واضح رہے کہ افغانستان کے لوگ اپنا ایک تاریخی اور شاندار ماضی رکھتے ہیں یہ وہ علاقہ ہے جسے انگریز کبھی سرنگوں نہ کر سکا۔ جب برصغیر پر انگریزوں کی حکومت تھی تو بھی افغانستان آزادی کی نعمت سے مالا مال رہا۔ اس کی پشت پر افغان قوم کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قربانیوں کی ایک پوری تاریخ ہے۔ افغان معاشرہ فطرتاً ایک روایتی، پختون اور مسلمان معاشرہ ہے اور ان روایات کے پیچھے صدیوں کی تاریخ ہے۔ سردار داؤد کی حکومت بادشاہت کی ایک کڑی تھی وہ ظاہر شاہ کے عم زاد اور بہنوئی تھے۔ سردار داؤد نے جب ظاہر شاہ کو تخت سے ہٹایا تو لوگوں نے اس تبدیلی کو شدت سے محسوس نہیں کیا تھا۔ کیونکہ وہاں کے نظام میں سردار داؤد کے آنے سے کوئی غیر معمولی تبدیلی سامنے نہیں آئی تھی۔ لیکن جب سردار داؤد کو ہٹایا گیا تو وہاں کے عوام نے فوری طور پر فضا میں تبدیلی محسوس کی۔ خود اجمل خٹک سے جب افغانستان کے اس مسئلہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو اُن کا جواب یہ تھا۔ ''افغانستان ایک غریب اور پسماندہ ملک تھا، عوام کی زبوں حالی اور پسماندگی قابلِ رحم تھی۔ وہ شاہی نظام سے تنگ آگئے تھے، کچھ خود تنگ آگئے تھے اور کچھ ارد گرد کے ماحول میں (شاید روس مراد ہے) تبدیلی آگئی تھی۔ وہ بھی تبدیلی چاہتے تھے۔ بے چینی اور اضطراب کی اس کیفیت سے وہاں کی خلق پارٹی نے فائدہ اُٹھایا''۔ جس رات داؤد حکومت کا تختہ اُلٹا جا رہا تھا، خان عبدالغفار خان سردار داؤد کے مہمان تھے، وہ اُس کے ایک پوتے کی شادی پر وہاں گئے تھے۔۔۔ انقلاب کے آنے تک تو لوگوں کی حمایت اُنہیں حاصل تھی لیکن جب اُنہوں نے انقلاب کی راہ پر چلنا شروع کیا تو ردِ عمل پیدا ہوا۔

اُن کے بقول ''انقلابیوں نے یکدم اعلان کیا کہ ہم سوشلسٹ انقلاب لانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ افغانستان جیسا روایت پسند اور پسماندہ ملک سوشلسٹ انقلاب کے لئے اتنی جلدی تیار نہیں ہو سکتا تھا۔ افغانستان کے عوام کی اکثریت قومی آزادی چاہتی تھی یا قومی جمہوری بحالی کے لئے تیار ہو سکتی تھی۔ انقلابی زبردستی اپنا سوشلسٹ انقلاب لوگوں پر حاوی کرنا چاہتے تھے۔ وہ زبردستی کرنا چاہتے تھے جس سے لوگ ناراض ہوئے''[۱۸] ہماری بدقسمتی ہے کہ اپنے پڑوسی مسلمان ملک افغانستان کی معاشرت، رسوم و رواج اور ثقافت سے متعلق ہماری معلومات کا واحد موثر ذریعہ انگریز مورخین کی کتابیں ہیں۔ ''یہ صحیح ہے کہ افغانستان میں کچھ طبقات بہت واضح تھے اور کابل کی حد تک وہاں جدیدیت کا دور دورہ تھا۔ وہاں کی شرح خواندگی نہ ہونے کے برابر ہے۔ اُن کے لیے اپنے گاؤں کا مَلک اور مسجد کا امام ہی پیشوا رہا ہے۔ یہ بات ناممکنات میں ہے کہ وہ ایسے نظام کو ماننے کے لیے تیار ہو جائیں جس سے اُن کا امام انکار کر رہا ہے۔ اور جس کے خلاف اُن کا مَلک لڑ رہا ہے۔''

''کمیونزم کے خلاف افغانوں کی مزاحمت نے دونوں اطراف کی سوچ کے حامل لوگوں کے اندازے غلط ثابت کیے اور اُن کی اُمیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اسلام پسندوں کا خیال تھا کہ یہ اسلامی انقلاب کا نقیب ثابت ہوگا اور ترقی پسندوں کا خیال تھا کہ افغانستان ترقی پسندی کا ماڈل ثابت ہوگا۔ اجمل خٹک کا شمار بھی اُن لوگوں میں ہوتا ہے جو افغانستان کے عوام کے بارے میں یہ تاثر رکھتے تھے کہ وہ نور محمد ترہ کی کی تائید کریں گے۔ اُن کے بقول ''افغانستان میں رہائش کے دوران، مجھے یقین ہے کہ وہاں کا ادیب اور نقاد میری کتاب ''دغیرت چغہ'' کی تاثیر کو تسلیم کرے گا۔ یہ اثر نہ صرف افغانستان کے ادب پر ہے بلکہ صوبہ سرحد کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ادب پر بھی ہے۔ انقلاب افغانستان پر دو افراد کی چھاپ واضح ہے۔ ایک فرد فیض محمد خان جو داؤد کے خلاف انقلاب کا ہیرو تھا اور اس انقلاب میں مارا گیا۔ وہ لوگوں سے کہتا تھا کہ میں اجمل خٹک کی کتاب 'دغیرت چغہ' کی پیداوار ہوں۔ اُس پر میں نے ایک نظم بھی لکھی ہے، دوسرا فرد نجیب اللہ تھا جو افغانستان کا صدر تھا۔ وہ کہتا تھا کہ میری سیاست کی بنیاد 'دغیرت چغہ' ہے۔ اس کتاب کی تاثیر اتنی تھی کہ جب ظاہر شاہ کے دور میں یہ چھپی تو اس کی ساری کاپیاں ضبط کر دی گئیں۔ اور ایک فرد کے حوالے کر دی گئیں کہ اُنہیں جنگل لے جا کر جلا دو۔ اُس نے جا کر کچھ کاپیاں جلا دیں اور کچھ چھپا کر رکھ دیں۔ اُس کے پاس ۱۴ کاپیاں بچ گئیں تھیں جو وہ چھپ چھپا کر لوگوں کو دیا کرتا تھا۔ ایک نہیں بے شمار ایسے واقعات ہیں جب نوجوان مجھ سے ملے اور واشگاف الفاظ میں کہا کہ ہم نے 'دغیرت چغہ' کی سیاست کو اپنایا ہے اور اسی سیاست کی بنیاد پر ہم انقلاب لے آئے۔ ایک دفعہ ایک جنرل آیا اور مجھے سیلوٹ کرنے کے بعد اپنے سٹارز کی طرف اشارہ کیا کہ یہ سٹارز 'دغیرت چغہ' کی برکت ہیں''۔

''مجھے انقلاب افغانستان میں اپنی معاونت پر فخر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میرا شمار اُن شعراء میں ہوتا ہے جس کی محنت اور دل سوزی ضائع نہیں ہوئی۔ بلکہ رنگ لائی ہے۔ آج کے نوجوانوں میں میری شاعری کا جذبہ، مستقبل کی اُمید، اور دنیا کو جنت بنانے کا عزم دکھائی دیتا ہے۔۔ ان تمام باتوں میں میری شاعری کا ایک کردار ہے اور مجھے اُمید ہے کہ آئندہ بھی یہ کردار زندہ رہے گا''[19] اُس وقت کے حالاتِ افغانستان کے بارے میں اُن کا نقطہ نظر تھا کہ ''بحیثیت ایک پختون افغان، پاکستانی مسلمان اور ایک شاعر کے، میں سمجھتا ہوں کہ آج کا افغانستان جنگ کی راہ پر جا رہا ہے۔ اور یہ جنگ اُس وقت تک بند نہیں ہو سکتی جب تک پڑوس کے ممالک اور اسلامی دنیا سب مل کر کوشش کریں کہ جنگ بند ہو۔ کیونکہ دونوں طرف افغان، پختون اور ہم قبیلہ لوگ لڑ رہے ہیں۔ یہ جنگ اس پوری قوم کو تباہی کی طرف لے جا رہی ہے۔ اگر اس آگ کو بجھایا نہ گیا تو نہ صرف افغانستان کا نام و نشان مٹ جائیگا۔ بلکہ آس پاس کی دنیا پر اس کے اثراتِ بد ہوں گے''[20] آج اجمل خٹک کی ضرورت بحیثیت ایک شاعر اور ادیب کے بہت زیادہ محسوس ہو رہی ہے۔ اُن کے اشعار کا سوز شاید آج کے پختون کو احساس دلا سکے کہ تباہی آپ کے در پر کھڑی ہے۔ اگر آپ بیدار نہ ہوئے۔

وطن واپسی

افغانستان میں جب حالات انتہائی ناساز گار ہوئے اور وہاں مزید رہنا سودمند نہ لگا تو وہ پاکستان تشریف لائے۔ وطن واپسی کے متعلق اُنہوں نے کہا ''اس ساری تگ و دو کے نتیجے میں دنیا نے ہماری آواز سُن لی، ہمارے دوستوں نے بھی ہماری مظلومیت سے آگاہی حاصل کی۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم آپ کی بات تسلیم کرتے ہیں لیکن پاکستان میں آپ لوگوں کی حیثیت کیا ہے؟ وہاں تو تمہاری کوئی قوت نہیں ہے۔ تم تو وہاں ۸۰ میں سے ۱۳ اور ۲۶ میں سے ڈھائی سیٹیں جیتے ہو۔ کیا یہ تمہاری قوت ہے؟ تم اپنے گھر میں تفرقے کا شکار ہو۔ میں نے محسوس کیا کہ باہر گھومنا اور لوگوں تک اپنی آواز پہنچانا اہم ہے لیکن ملک کے اندر کام زیادہ اہم ہے۔ انقلاب اور تبدیلی ملک سے باہر نہیں بلکہ ملک کے اندر بیٹھ کر اور کام کر کے لائی جا سکتی ہے''[21] چونکہ وہ ۱۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سال ملک سے باہر رہے ان سالوں میں پختون معاشرہ میں کافی تبدیلیاں آئی تھیں، بہت ساری نئی پارٹیاں سامنے آئیں اور بہت ساری پارٹیاں منظر عام سے ہٹ گئیں۔ معاشرہ میں تبدیلیوں کو سمجھنے اور اپنا لائحہ عمل طے کرنے کے لیے ساتھیوں سے مشاورت کے بعد آپ نے عوامی نیشنل پارٹی میں دوبارہ کام شروع کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ''میری خواہش ہے کہ میں تصنیف و تالیف کا کام کروں۔ دل یہی چاہتا ہے کہ باقی وقت میرا لکھائی میں گزرے اور تجربات و مشاہدات کی روشنی میں نئی تحریریں لاؤں۔ ہوائی تصورات، بے بنیاد اُمیدیں اور افکار و خیالات قوم کے ذہن سے نکال دوں۔ لیکن مجھے لگتا ہے کہ میں عملی سیاست میں شریک ہو جاؤں گا اور مجھے خوف ہے کہ عملی سیاست مجھ پر غلبہ اختیار کرے گی''۔[۲۲] اور وہی ہوا۔ کچھ ہی عرصہ بعد آپ کو عوامی نیشنل پارٹی کا مرکزی صدر منتخب کیا گیا۔

۱۹۵۱ء کا اجمل خٹک

اجمل خٹک نے ۱۹۴۸ء میں ریڈیو پاکستان کی ملازمت شروع کی تھی۔ پاکستان نیا نیا معرضِ وجود آیا تھا اور صورتحال یہ تھی کہ ہندوستان نے بادل ناخواستہ قیام پاکستان کو منظور کیا تھا۔ افغانستان کے ساتھ بھی پاکستان کے تعلقات اول روز سے کشیدہ رہے۔ اس کشیدگی کی ایک وجہ صوبہ سرحد کا مسئلہ بھی تھا۔ صوبہ سرحد میں خدائی خدمتگار تحریک نے ریفرنڈم میں حصہ نہیں لیا تھا کیونکہ اُن کا مطالبہ تھا کہ صوبہ سرحد میں ریفرنڈم اس مسئلہ پر کیا جائے کہ وہ پختونستان کی صورت میں الگ سٹیٹ کی حیثیت سے رہنا چاہتے ہیں یا پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔[۲۳] اُس دور میں اجمل خٹک ریڈیو پاکستان سے ''د حق آواز'' کے نام سے ایک پروگرام پیش کیا کرتے۔ جس کے شروع میں یہ مشہور مصرعہ ہوتا ''اے پہ شیش محل کہ ناستہ بل پہ کا نڑومہ اولہ'' (معنی ہیں۔ اے شیش محل میں بیٹھنے والے! دوسروں پر تنقید نہ کیا کر) یہ طنزیہ پروگرام ہوا کرتا تھا جس میں بھرپور انداز سے افغان حکومت اور ہندوستانی حکمرانوں پر تنقید کی جاتی۔ ذیل میں صرف اپریل ۱۹۵۱ء کے مہینے کے پروگرامات کے چند اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں (خلاصہ ہے)

عنوان: محمود غزنوی اور موجودہ افغان حکمرانوں کا تقابلی جائزہ

محمود غزنوی نے ہندوستان پر ۱۷ حملے کیے اور وہاں سے سومنات کا دروازہ ساتھ لے آئے جبکہ موجودہ حکمرانوں نے وہ دروازہ ہندوستان کو واپس کر دیا تاکہ اُسے دوبارہ سومنات کے مندر میں لگا سکیں۔ موجودہ حکمران جمال الدین افغانی کا تابوت افغانستان واپس لا رہے ہیں۔ کیا اُن کی پالیسیاں بھی جمال الدین کی طرح ہیں؟

کشمیر کے بارے میں افغان حکومت کا ناروا موقف

وہ غاصب ہندوستان کی حمایت کر رہا ہے اور مسلمان پاکستان کی مخالفت کر رہا ہے۔ یعنی ڈوگرہ کے ساتھ دوستی اور مسلمانوں کے ساتھ دشمنی کی پالیسیاں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کابل حکومت کی ظالمانہ پالیسیوں کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔

افغان عوام افغانستان میں ظلم وجور سے تنگ آکر ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ یہ لوگ افغانستان سے کیوں نکلے۔ بھارت نے افغانستان جانے والے مال پر ٹیکس لگایا اور سوداگروں کو پابند کیا کہ جتنا مال وہ افغانستان لے جائیں گے۔ اُس کے بدلے اُتنا مال وہاں سے متبادل طور پر واپس لائیں گے۔ اجمل خٹک نے اُن کا مذاق اُڑایا ہے کہ افغانستان کی بھارت سے انوکھی دوستی ہے۔[۲۴] کابل حکومت پر تنقید کی کہ وہ اپنے تعلیمی اداروں میں سنسکرت پڑھا رہی ہے۔ وہاں کے طلبہ، اساتذہ اور عوام جمہوریت کے لیے لڑ رہے ہیں۔ کابل حکومت نے افغان طلبہ کو بھارتی اداروں میں داخل کیا ہے تاکہ وہ ٹھیک ٹھاک ہندو بن جائیں۔[۲۵] کابل حکومت کے فوجی خیرات مانگتے ہوئے پکڑے گئے۔ کیونکہ تنخواہوں میں اُن کا گزارہ نہیں ہوتا۔ طلبہ شہداء کی قبور کی زیارت کے لیے گئے اور دھر لیے گئے۔ ۳۰ افراد کو اس الزام میں گرفتار کیا گیا کہ وہ گڑبڑ پھیلانے کی سازش کر رہے تھے۔[۲۶]

اجمل خٹک ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۳ء تک اسی موقف پر قائم رہے جب تک آپ ریڈیو پاکستان سے فارغ نہ کئے گئے۔ قیوم خان کی خدائی خدمتگار تحریک کے ساتھ ناروا سلوک نے نہ صرف اجمل خٹک بلکہ ایسے بے شمار قلمکاروں، ادیبوں اور شعراء کو مجبور کیا کہ وہ ان استبدادی ہتھکنڈوں کے خلاف آواز اُٹھائیں۔ جب اُن کی تحریروں کو ضبط کیا گیا اور اُن کو پابند سلاسل کیا گیا تو وہ تنگ آمد بہ جنگ آمد کے مصداق بغاوت پر اُتر آئے۔ جلاوطنی سے بعد کا اجمل خٹک اگرچہ اسوقت بستر مرگ پر پڑا ہے لیکن اُن کی آخری تقریروں وتحریروں میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی جو ریاست پاکستان کے بنیادی تصورات سے متصادم ہو۔

صوبہ سرحد میں قوم پرستی کا ارتقاء

خان عبدالغفار خان نے ۱۹۲۹ء میں خدائی خدمتگار تحریک کے نام سے غیر سیاسی جماعت قائم کی۔ ابتداء میں یہ خالصتاً سماجی تنظیم تھی۔ اس کا مقصد پختونوں کی سماجی اصلاح تھا بعد میں بتدریج اس پر سیاست کا رنگ غالب آتا گیا[۲۷]۔ یہ تحریک بنیادی طور پر انگریز حکمرانوں کی پالیسوں کے خلاف ردِ عمل کے طور پر اُبھری تھی۔ جو صوبہ سرحد کو وہ مقام نہیں دے رہے تھے جو انہوں نے دوسروں صوبوں کو دیا تھا۔ انگریز حکمران درحقیقت روس، افغانستان اور قبائل کے گٹھ جوڑ سے خوف زدہ تھے۔ جب انگریزوں نے اس تحریک کو دبانے کی کوشش کی تو یہ ۱۹۳۱ء میں آل انڈیا کانگریس کے ساتھ یکجا ہوئی[۲۸] اس تحریک کے چار بنیادی مقاصد تھے۔

(ا) پشتون قومیت

(ب) اخلاقی ومعاشرتی اصلاحات

(ج) عدم تشدد

(د) اسلام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ تحریک انڈین نیشنل کانگریس کے نیشنل سوشلسٹ پروگرام سے متاثر تھی۔اور اس کے قائدین امپریلزم کے خلاف تھے اور افغانستان کی طرف جھکاؤ رکھتے تھے جو انگریز حکمرانوں کے خلاف تھا۔ برصغیر ہندو پاک کی تقسیم سے پہلے وہ ہندوستان کی حدود کے اندر صوبائی خودمختاری کے حامی تھے۔اُس دور میں اس تحریک نے کبھی بھی ''پختونستان ریاست'' کے قیام کا نعرہ نہیں لگایا۔اس تحریک میں زیادہ تر اوسط درجے کے لینڈ لارڈ تھے اور صوبہ سرحد کے دیہات بالخصوص مردان، پشاور، کوہاٹ، اور بنوں میں اس کا خاصا اثر تھا۔انگریز حکمرانوں کے مطابق اس تحریک کے ممبران کی تعداد کم از کم بیس ہزار اور خود اس تحریک کے دعوی کے مطابق ایک لاکھ تھی۔اس تحریک کا اپنا اخبار اور تنظیمی ڈھانچہ تھا۔اس تحریک نے ۱۹۳۷ء اور ۱۹۴۶ء کے انتخابات واضح اکثریت سے جیت لیے تھے اور صوبہ سرحد میں صوبائی حکومت بنائی تھی۔صوبہ سرحد وہ واحد مسلمان علاقہ تھا جہاں مسلم لیگ نے ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں شکست کھائی تھی۔ان انتخابات میں خدائی خدمتگار نے 51.73٪ اور مسلم لیگ نے 37.43٪ ووٹ حاصل کئے تھے۔ برطانوی حکومت نے صوبہ سرحد کے عوام کی رائے معلوم کرنے کے لیے؛ کہ وہ ہندوستان یا پاکستان دونوں میں سے کس کے ساتھ ملنا چاہتے ہیں ریفرنڈم کا اعلان کیا۔خدائی خدمتگار تحریک نے اس ریفرنڈم کا بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ کیا اور خود مختار پختونستان کے قیام کا مطالبہ کیا۔خدائی خدمتگار کے ریفرنڈم پر دو بنیادی اعتراضات تھے۔

(ا) خدائی خدمتگار تحریک نے ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں کامیابی حاصل کی تھی اب وہ کسی اور ریفرنڈم کی ضرورت محسوس نہیں کر رہی تھی۔

(ب) ریفرنڈم میں خودمختار پختونستان یا افغانستان کے ساتھ الحاق کی کوئی بات یا تذکرہ نہیں تھا۔

۱۹۴۷ء میں کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس (جسمیں مہاتما گاندھی بھی موجود تھے) سے خطاب کرتے ہوئے خان عبدالغفار خان نے کہا

''ہم پختون آپ کے ساتھ کھڑے ہوئے اور قربانیاں دیں لیکن اب تم نے ہمیں چھوڑ دیا ہے اور بھیڑیوں کے حوالے کر دیا ہے۔ہم ریفرنڈم کے فیصلے پر راضی نہیں ہوں گے کیونکہ ہم نے فیصلہ کن اکثریت سے ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں کامیابی حاصل کی ہے۔جس میں واضح طور پر ہندوستان یا پاکستان میں سے ایک کا انتخاب کرنا تھا اور اس بارے میں عوام نے اپنا فیصلہ دیدیا تھا۔اب کیونکر ہندوستان یا پاکستان کے بارے میں ریفرنڈم ہو (جس کا مطلب ہندو یا مسلم ریاست میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا) اب اسے پاکستان یا پختونستان کے بارے میں ریفرنڈم کرنا چاہیے''۲۹

بہرحال برطانوی حکمرانوں نے ریفرنڈم کرالیئے اور مسلم لیگ کے حق میں ۲۸۹۲۴۴ ووٹ آئے، جبکہ مخالفت میں ۲۸۷۴ ووٹ پڑے۔اس ریفرنڈم میں خدائی خدمتگار نے حصہ نہیں لیا تھا۔خان عبدالغفار خان کا خیال تھا کہ قیام پاکستان دراصل انگریزوں کی سازش ''تقسیم کرو اور حکومت کرو'' کا نتیجہ تھا۔یہ مسلم اکثریت کا خواب نہ تھا۔اُس کی نظر میں مسلم لیگیوں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اکثریت انگریزوں کی وفادار تھی۔ اُس کی نظر میں ہندوستان کے مسئلہ کا حل ایک سوشلسٹ جمہوریہ تھا جس میں صوبے فیڈریشن کے تحت پوری خودمختاری کے ساتھ رہیں۔ اُسے خدشہ تھا کہ قیام پاکستان سے پختونوں کا ''غیر پختون'' کے ہاتھوں استحصال ہوگا۔ اس لیے اُس نے ۱۹۴۷ء میں واضح کیا۔''اٹھارہ سال کی جدوجہد کے بعد اب ہمیں ایک نئے خطرے کا سامنا ہے (پاکستانی قومیت کا غلبہ) نہ صرف پختونوں کی آزادی بلکہ پختونوں کی بقا خطرے میں ہے۔ میں اس لیے تمام پختونوں کو پکار رہا ہوں جنھیں اپنی زمین سے محبت ہے کہ وہ متحد ہو جائیں تا کہ پختونستان کا قیام عمل میں آسکے۔''

قیام پاکستان کے بعد آپ نے اپنے مطالبے کو پھر دُہرایا اور اُس کی تشریح میں ترمیم کرتے ہوئے کہا کہ ''پختونستان'' سے مراد صوبہ سرحد کی پاکستان کے حدود کے اندر خودمختاری ہے۔ لیکن وقتاً فوقتاً آپ پختونستان کی نئی تعبیرات کرتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد ۱۹۵۵ء میں ون یونٹ قائم کیا گیا جس میں صوبہ سندھ، پنجاب، صوبہ سرحد اور بلوچستان کو ایک صوبہ کی شکل دی گئی اور اُسے مغربی پاکستان صوبہ کہا گیا۔ ون یونٹ کی پُشت پر سیاسی فلسفہ یہ تھا کہ بنگالیوں کی عددی قوت کا ون یونٹ کے زور پر مقابلہ کیا جائے اور اس طرح دونوں صوبوں کے درمیان برابری کا اُصول طے کیا گیا۔ حکمرانوں کا خیال تھا کہ اس طرح سیاستدانوں کے ہاتھوں جولسانی اور ثقافتی خلیج پیدا کی گی ہے وہ بھری جاسکے گی۔ لیکن اس کے خلاف مختلف سیاسی پارٹیوں کی طرف سے شدید ردِّعمل سامنے آیا۔ قیام پاکستان کے بعد بائیں بازو کی جماعتوں (پاکستان نیشنل پارٹی، آزاد پاکستان پارٹی، سُرخ پوش یا خدائی خدمتگار تحریک، سندھی عوامی لیگ) نے ۲۵ جولائی ۱۹۵۷ء کو لاہور میں نیشنل عوامی پارٹی کی بنیاد ڈالی۔ جس کے سربراہ مولانا بھاشانی بنائے گئے[30] نیشنل عوامی پارٹی کے خاص مقاصد ون یونٹ کو ختم کرنا، زرعی اصلاحات کا نفاذ، صوبائی خودمختاری کا حصول، فوجی معاہدوں کو مسترد کرنا اور آزاد خارجہ پالیسی تھے۔ اس پارٹی کے نمایاں لیڈر خان عبدالغفار خان، عبدالصمد اچکزئی، شہزادہ عبدالکریم، جی ایم سید اور مولانا بھاشانی تھے۔ میاں افتخارالدین نے بھی بعد میں نیشنل عوامی پارٹی میں شمولیت اختیار کرلی۔ نیشنل عوامی پارٹی کے رہنماؤں میں اندرونی طور پر اتنا اتحاد نہیں تھا جتنا بظاہر نظر آتا تھا۔ جہاں مولانا بھاشانی کسانوں اور محنت کشوں کے حقوق پر اصرار کرتے تھے، وہاں غفار خان، اچکزئی اور جی ایم سیّد کی اولین ترجیح وَن یونٹ کو توڑنا تھا۔ ایوب خان کی پالیسی تھی کہ چین کے ساتھ دوستی ہو۔ مولانا بھاشانی کو چین بھیج دیا گیا۔ جب وہ چین سے واپس آئے اُن میں دو تبدیلیاں آئیں۔ (۱) اُن کو چینی فلسفہ پسند آگیا (۲) انہوں نے ایوب خان کی حمایت شروع کردی۔ اس طرح نیپ دو ٹولوں میں بٹ گئی۔ ہمیں روس نواز اور مولانا بھاشانی کو چین نواز کہا جانے لگا اور یہ اتحاد جلد ہی ٹوٹ گیا[31]۔

نظریات وطریق کار

قیام پاکستان کے بعد خدائی خدمتگار کا زور اسی بات پر تھا کہ ''پختون'' ایک الگ قوم ہیں اور اُن کی روایات دیگر پٹھانوں کے ساتھ زیادہ ملتی جلتی ہیں۔ (یعنی افغانستان کے ساتھ) اس کے قائدین کے ابتدائی بیانات سے یہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ آیا وہ صوبائی خودمختاری چاہتے ہیں یا الگ ریاست۔ اس الجھن کی بنیادی وجہ اُن کی حکومت زبردستی ختم کرنا اور حکومت کا اُن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بارے میں مشکوک رویہ تھا جب وہ صدمہ سے سنبھل گئے تو اُنہوں نے پاکستان کے اندر رہتے ہوئے صوبہ سرحد کی صوبائی خودمختاری کا مطالبہ کر دیا۔

درحقیقت ۱۹۴۷ء تا ۱۹۵۵ء تحریک کے قائدین نے کوشش کی کہ وہ حکمرانوں کو اپنی وفاداری کا یقین دلائیں اور ساتھ واضح کیا کہ ''پختونستان'' سے ہماری مراد صوبائی خودمختاری ہے نہ صرف صوبہ سرحد کے لیے بلکہ دیگر صوبوں کے لیے بھی۔ لیکن فوجی حکومت کے بیوروکریٹک اور مرکز کے ظالمانہ رویئے نے اُنہیں اپنا لب ولہجہ تبدیل کرنے پر مجبور کیا۔ اب وہ سوشلسٹ فریم ورک کے مطابق صوبائی خودمختاری چاہتے تھے لیکن علیحدگی کے انتخاب کی آزادی بھی موجود تھی۔

سیاسی طور پر اس تحریک نے کوشش کی کہ پاکستان کے دیگر صوبوں میں صوبائی خودمختاری کے لیے کام کرنے والے اور ون یونٹ کو ختم کرنے والے عناصر کے ساتھ تعاون کیا جائے اور ہم آہنگی کی فضا پیدا ہو۔ اس تحریک نے ساتھ ہی فوجی جنتا کے خلاف قومی پلیٹ فارم سے بھی اپنا کردار ادا کرنے کی کوشش کی۔ ساتھ ہی اُن کا جھکاؤ ہندوستان، افغانستان اور روس کی طرف رہا جو پختونستان کے مسئلہ پر اُن کی تائید کر رہے تھے۔ اس تحریک کا زیادہ تر اثر دیہی علاقوں میں رہا، بالخصوص وہ علاقے جہاں پختونوں کی اکثریت تھی۔ لیکن تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ اس تحریک سے زیادہ متاثر نہیں ہوا۔ تعلیم یافتہ طبقہ کے متاثر نہ ہونے کی بہت ساری وجوہات تھیں۔ جو درج ذیل ہیں۔

(ا) فوج اور بیوروکریسی کے مرکز میں برسراقتدار آنے کے بعد، بیوروکریسی اور فوج دونوں کی کوشش رہی کہ وہ اُن علاقوں کے لوگوں کو ملازمتوں میں لے آئیں جو اس تحریک کے گڑھ تھے۔

(ب) فوج اور بیوروکریسی دونوں میں اعلیٰ عہدے پشاور، بنوں، کوہاٹ اور مردان کے لوگوں کے پاس آئے۔ جس سے تحریک کمزور ہوئی۔

(ج) ایوب خان اور اُس کے بعد کے تین کمانڈر انچیف صوبہ سرحد کے تھے اس لیے نئی نسل کے لیے یہ تسلیم کرنا مشکل تھا کہ اُن کا استحصال کیا جا رہا ہے۔

(د) نیپ کی لیڈرشپ مرکز کے ظالمانہ رویہ، قید و بند، تکلیف و آزمائش اور طاقت کے استعمال سے پس منظر میں چلی گئی تھی۔ نئی پود اپنے آپ کو اس تحریک کے حوالے سے شناخت نہیں کروانا چاہتی تھی۔

۱۹۷۰ء کے انتخابات سے یہ ثابت ہوا کہ نیپ شہری علاقوں میں کوئی پیش رفت نہ دکھا سکی۔ ہاں دیہی علاقوں میں اُس نے اپنا تشخص برقرار رکھا جو خدائی خدمتگار تحریک کا پہلے سے گڑھ چلے آ رہے تھے۔ دیہی علاقوں میں بھی اگر اُن کا تقابلی جائزہ خدائی خدمتگار تحریک سے کیا جائے تو تنزل ہی ظاہر ہوتا ہے۔ نیپ نے ۱۹۷۰ء میں قومی اسمبلی میں ۱۸.۸٪ اور صوبائی اسمبلی میں ۱۹.۴٪ ووٹ لئے۔ حالانکہ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں خدائی خدمتگار تحریک نے ۵۱.۷۰٪ ووٹ حاصل کئے تھے[۳۲]۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجمل خٹک کی شاعری ردِ عمل کی شاعری؟

اجمل خٹک کے قلم میں ایک عام ذہن کے لیے اپیل ہے۔ آپ فی البدیہہ شاعر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ "میں کبھی شعر بنانے نہیں بیٹھا۔ اشعار خود میرے ذہن سے تیار ہو کر نکلتے ہیں۔ اگر آپ کبھی میری کتاب "دغیرت چغہ" کا مطالعہ کریں تو اُس میں بہت ساری نظمیں آپ کو ایسی ملیں گی جو میں نے کسی واقعہ یا حالات سے متاثر ہو کر لکھی ہیں جیسے "دگوجر قیصہ" (گوجر کا قصہ) اس نظم کا پس منظر یہ ہے کہ میں پیر طلا محمد، پیر سیّد علی شاہ اور لالا غلام سرور کے ساتھ ضلع دیر گیا۔ واپسی پر بس کی سیٹ سے میں نے ایک گوجر کو دیکھا جو بھینسیں چرا رہا تھا، میں نے اس واقعہ سے متاثر ہو کر وہیں ایک دوست سے قلم لیا اور سگریٹ کی ڈبیا پر اپنے احساسات قلمبند کرنا شروع کیے۔ مردان پہنچنے تک نظم بالکل تیار تھی۔ اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں۔" اجمل خٹک کی کتاب "دغیرت چغہ" ہی سب سے مشہور کتاب ہے۔ اسی کتاب کی بنیاد پر آپ شہرت کی بلندیوں تک پہنچے اور اسی کتاب کی سیاسی، انقلابی اور مزاحمتی نظموں کی بنیاد پر آپ قیوم خان کے تشدد کا شکار ہوئے۔ اگرچہ آپ کی اور بھی بے شمار کتابیں ہیں لیکن آپ کہتے ہیں کہ "دغیرت چغہ" میں روانی اور ذوق زیادہ ہے یہ کتاب میری سیاست ہے اور یہی میرے احساسات ہیں"۔

سوال یہ ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ جو شاعری آپ کے اس کلام میں ہے، وہ بعد کی شاعری میں نہیں ملتی۔ یہ کلام لوگوں کو کچھ کرنے پر اُکساتا ہے۔ اصل محرک آپ کا ماحول ہے۔ جس ماحول میں آپ نے ابتدائی شاعری کی ہے، وہ ماحول ظلم و ستم اور جبر و تشدد کا ماحول ہے۔ اس ماحول میں آپ کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ آپ کو بغیر کسی واضح جرم کے حوالات میں رہنا پڑا۔ دوسری طرف آپ نے دیکھا کہ ظلم کرنے والے پنپ رہے ہیں، اُن کا احتساب کرنے والا کوئی نہیں۔ اس دور کی شاعری "ردِ عمل" کی شاعری ہے۔ اس کی تائید خود اجمل خٹک نے بھی کی جب اُن سے سوال کیا گیا کہ "آپ کی شاعری و سیاست جیل کی زندگی کا ردِ عمل تو نہیں ہے؟ تو آپ کا جواب تھا "میرے اشعار میں جو کچھ بیان ہوا ہے، وہ یقیناً میری جیل کی زندگی کا ردِ عمل ہے۔"[۳۳] دوسری بات جو سامنے آتی ہے، وہ تنہائی، بیچارگی اور بے سہارا پن کا احساس ہے جو ایک انسان کو بہت کچھ کرنے، کہنے اور سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔ اشفاق احمد اس صورتحال کے بارے میں لکھتے ہیں "اگر کوئی معمولی آدمی بھی تخلیق کے کرشموں اور قوتوں سے آشنائی کا خواہش مند ہو تو اُسے ایک طویل عرصے کے لیے اپنے آپ کو تنہائی اور مفارقت کے حوالے کرنا پڑے گا جب یہ تنہائی اُس کا خون چوسے گی اس کی صحت تباہ کرے گی۔ اُس کے عزم و اعتماد کو دیمک کی طرح چاٹے گی، اُس کے ایمان اور اُس کی خوشی کو گھن بن کر کھا جائے گی، تو پھر آہستہ آہستہ اُسے تخلیقی عمل کا شعور پیدا ہونے لگے گا"[۳۴]

آپ کی شاعری میں تین چیزیں بڑی وضاحت سے ملتی ہیں۔ (ا) قوم پرستی (ب) ترقی پسندی (ج) اور حکمرانوں کے رویّوں کے خلاف ردِ عمل۔ آپ نے اپنے منفرد انداز کو اپنے کلام کی زبان میں واضح کیا ہے۔ آپ کے مضامین کو پڑھا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ دھیرے دھیرے اور بتدریج آپ اپنے مقصد و مدّعا کو قاری پر واضح کر کے اُسے قائل کرتے ہیں۔ اجمل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خٹک کی شاعری میں کمزوروں کے لیے سوز ہے، جوانوں کے لئے جذبہ اور ہمت ہے اور پختونوں کے لیے قوم پرستی کا تصور ہے، اپنے نظریات کی تشہیر کے لیے ماضی کی شاندار داستان کا سہارا ہے اور یہ ساری چیزیں مل کر آپ کو روایتی شعراء سے منفرد بناتی ہیں۔شعراء اور بالخصوص روایتی شعراء کی عموماً سیاسی وابستگی نہیں ہوا کرتی۔یا پھر وہ اپنی شاعری میں اپنی سیاسی یا نظریاتی وابستگی کا اظہار نہیں کرتے۔یہی وجہ ہے کہ اُن کے کلام میں رنگینی کا عنصر زیادہ ہوا کرتا ہے۔اجمل خٹک کی شاعری اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس میں رنگینی کم اور مقصدیت زیادہ ہے۔اُس کے مقاصد اور نصب العین سے اختلاف کیا جاسکتا ہے لیکن اُس کے خلوص پر شک کرنا محال ہے۔تنہائی، تکالیف اور مصائب ہی انسان کی تخلیقی صلاحیتوں کو اُجاگر کرتی ہیں۔یہ چیزیں جب تک اجمل خٹک کی معیت میں رہیں اُس وقت تک اجمل خٹک کا کلام بھی ''دغیرت چغہ'' کی صورت میں سامنے آتا رہا ہے لیکن جب آپ نے جلا وطنی کی راہ اختیار کی تو آپ کے کلام میں بھی فرق محسوس کیا گیا آپ کی کتاب ''گل پرھر'' (جو افغانستان میں شائع ہوئی ہے) میں اس فرق کو واضح طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔

جذبات کا اظہار شاعری میں

اجمل خٹک کی شاعری میں تڑپ اور قوم پرستی، استحصال کی مخالفت واضح طور پر محسوس کیا جاسکتی ہے اس نے اپنی کتاب ''دغیرت چغہ'' کے آغاز میں جو اشعار دیے ہیں وہ ملاحظہ ہوں۔

غٹان غٹان نیکان نیکان پیدا دی
دوی خولہ حایہ جنتیان پیدا دی
حی ھغے خوار ولہ جنت او گٹو
سوک چہ د موزہ دوزخیان پیدا دی۔

(بڑے اور امیر لوگ تو نیک ہی پیدا ہوئے ہیں۔وہ تو اپنی ماں کے پیٹ سے جنتی پیدا ہوئے ہیں۔آیئے اُن غریب اور کمزور لوگوں کے لیے جنت کا حصول کریں جو ماں کے پیٹ سے دوزخی پیدا ہوئے ہیں)۔

دغیرت چغہ

اجمل خٹک ایک قوم پرست وترقی پسند شاعر

اجمل خٹک کی ایک نظم (جس کا نام بھی ''دغیرت چغہ'' ہے) ۱۹۸۵ء میں کافی مشہور ہوئی۔حالانکہ یہ بہت پہلے لکھی ہوئی ہے۔اُس نظم میں وطن کی مٹی کی آہ بھری فریاد ہے۔آپ نے اسے بہترین اُسلوب میں بیان کیا ہے۔

اس انقلابی اور دلوں کو گرما دینے والی نظم کا مفہوم یہ ہے۔کہ میں مانتا ہوں کہ اس وقت ہماری قوم کے جذبات کو دھوکہ اور فریب سے سرد کیا گیا ہے اور یہ پختون خون زیادہ سے زیادہ دوسروں کے لیے شکار ہی پکڑ سکتا ہے (یعنی دوسروں کا غلام بن کر) لیکن شیروں کے اس پنجرہ میں اور بہادروں کی اس سرزمین میں کہیں گرم خون نہیں جوش سکے، کہیں سُرخ خون نہیں جوش سن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکے میں وطن کے نام پر قربان ہونے والا خون ایک حسرت ناک فریاد کر رہا ہوں۔ میں مزید شہباز (شاہین) کے جالے پر تیتروں کا ہجوم نہیں دیکھ سکتا۔۔۔۔۔۔ میں مزید بُت شکن پختونوں کی غیور سرزمین پر بُوں کو سجدے کرنے والوں کو نہیں دیکھ سکتا۔ محمود غزنوی سے ورثے میں ملنے والی اور احمد شاہ ابدالی کی ناموس سے زندہ رہنے والی سرزمین پر۔۔۔۔۔ کیا کہیں کوئی گرم خون ہے، کوئی سرخ خون ہے۔۔۔۔۔ میں وطن کے شہیدوں کا خون۔۔۔۔ ایک درد بھری فریاد کر رہا ہوں۔۔۔۔۔ یہ جو ہمارے آباؤ اجداد کی سرزمین پر اپنے ہوس کے گھوڑے دوڑا رہے ہیں۔۔۔ یہ ذاتی اقتدار کی بھوکی آنکھیں جو ہماری ہڈیوں کو بھنبھوڑ رہی ہیں۔ بس (اب میں مزید برداشت نہیں کر سکتا) اب ان کی آنکھیں کھلا دینے کی ضرورت ہے اور ان کے غرور کو نیچا دکھانے کی ضرورت ہے۔۔۔۔ کیا کوئی گرم اور سُرخ خون نہیں، جو میری (میں وطن کے شہیدوں کا خون) درد بھری فریاد سُن سکے!۔۔۔۔۔ میں تو اُن خوار و غریب اور ننگ دھڑنگ لوگوں کو آسمان کے ستارے دکھانا چاہتا ہوں اور محنت کشوں کے پسینے کے قطروں سے گلاب کے شبنم کے قطروں کو شرمانا چاہتا ہوں۔۔۔۔۔ کیا کوئی گرم اور سُرخ خون ہے [۳۵]

مردان کے ایک پرگرام میں جب اجمل خٹک نے یہ نظم شروع کی اور متعدد اشعار میں قیوم خان کی طرف منہ پھیر کر اشارہ کیا تو اُنہیں یہ جلسہ درمیان میں ہی ختم کرنا پڑا[۳۶]

ان کی ایک اور نظم جس کا مفہوم یہ ہے کہ میں اس رومانی دنیا کی رنگینوں سے دھوکہ کھا گیا، یہاں کی دل فریبیوں اور تلخیوں سے دھوکہ کھا گیا۔۔۔۔ حسین خوابوں سے دھوکہ کھا گیا۔۔ لیکن اب مزید مجھے رنگین نشوں سے سُلایا نہیں جا سکتا۔۔۔ اب مزید مجھ پر ریاکاری سے بھرے نغمے مستی طاری نہیں کر سکتے۔۔۔۔ ساقی! میرے نزدیک ان جاموں کو مت ٹکرا۔۔ دور ہٹا دے مجھ سے چنگ و رباب اور اس کے تاروں کو میرے سامنے مت چھیڑ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں غیرت مند خون کی ایک گرم بوند ہوں۔۔۔ میں ان پُر فریب نعروں سے دھوکہ نہیں کھا سکتا، نہ خاموش رہ سکتا ہوں۔۔۔ میں تو پھیلنے کے لیے پیدا ہوا تھا۔۔۔۔ تمہارے زیر و بم میں، میں اپنے آپ کو کھو نہیں سکتا۔۔۔۔۔ ساقی!۔۔۔۔۔۔۔۔ میں صبح کی صدا ہوں۔۔۔ تم مجھے میٹھی زبان سے سُلا نہیں سکتے۔۔۔۔۔ میں تو ٹوٹے ہوئے دلوں کی دردمند آواز ہوں تم مجھے نغموں کے زیر و بم میں سُلانا چاہتے ہو۔ میں تو دنیا کو لرزا دینے کے لیے پیدا ہوا۔۔۔۔۔۔ میں صبح کی دل فریبیوں میں اپنے آپ کو کھو نہیں سکتا۔۔۔۔ ساقی!۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں وقت کی آواز میں بیدار ہو چکا ہوں۔۔۔ اب ظلم و جبر میرا راستہ نہیں روک سکتے۔۔۔ میری نس نس میں انقلاب کے وہ شعلے روشن ہیں۔ جنہیں اہلِ زر کی پھونکیں سرد نہیں کر سکتیں۔ میں اس جذبے کی آگ سے یا تو غریبوں کے لیے عزت کی زندگی حاصل کر لوں گا اور اس مردہ خاک سے اُس کے لیے جنت بنا دوں گا۔۔۔ یا پھر اس بے بس زندگی سے جہنم ہی بہتر ہے۔۔۔ اگر غیرت کی زندگی کا حصول مشکل ہے تو پھر قبر ہی بہتر ہے۔ میں اب مزید ان قصابوں کے ساتھ نہیں چل سکتا۔۔۔ آخر میں بھی انسان ہوں، چارپایہ نہیں ہوں۔۔۔ ساقی!۔۔۔۔۔۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جشن آزادی کی بہار

''ایک سیاسی تنظیم جشن آزادی پاکستان کے حوالے سے جلسہ کر رہی تھی، چوک یادگار پشاور دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ اُس تنظیم کے عہدیداران خوشی اور مستی سے پھُولے نہیں سمارہے۔۔۔ سٹیج پر ایک دو موٹی گردنوں والے قائدین ہنستے مسکرار ہے تھے، اور اُن کے گرد کھڑے اور بیٹھے ہوئے لوگ، غریب، جلسہ میں، چوک یادگار میں، اس شہر میں اور اس شہر کے مضافات میں ۔۔۔ اس وطن پاکستان میں غریب دہقان، کلرک، مزدور، دکاندار، کاریگر اور دیگر عوام ۔۔ واللہ اس خوشی کے احساس کو نہیں سمجھ رہے تھے ۔۔۔۔ اس تنظیم کے چند بڑوں کے علاوہ باقی لوگ زیادہ سے زیادہ یہی سمجھ رہے تھے کہ چلیں! دہلی انہی لوگوں نے فتح کیا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ تھی کہ بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کو ہڑپ کر رہی تھیں۔ میں اس تماشہ کے بیچ میں کھڑا تھا آزادی کے پرچم تلے، اور اس قوم کی تصویر کے دونوں رُخ سامنے تھے، اسی دوران کسی نے مجھے آواز دی کہ آئیں اور نظم پڑھ لیں ۔۔۔ میں نے یہ چند اشعار پڑھے[۳۷] جس کا مفہوم یہ ہے کہ

اگر باغ کے ایک کونے میں ایک ڈالی کھل گئی تو کیا۔ بہار تو وہ ہے جو گل اور خار دونوں پر آجائے۔ ایک غنچے کو، جو ادھ کھلا ہو، کوئی بھی بہار نہیں کہتا۔ بہار تو وہ ہے جو دردمندوں کو قرار دلا دے۔ ایک'' پنجرہ میں پرندہ کانٹوں کو چوم رہا تھا، اس امید پر کہ اگر کل بہار آنے لگے تو یہ بھی گل ہو جائیگا۔ میں ایسے بہار کا کیا کروں جس میں جام کے ٹکرانے کی آواز تو سنائی دے لیکن میرے پیاس بھرے ہونٹ بوند کو ترستے رہیں۔ باغ میں چند پھول مسکرانے لگیں تو اُس بہار کا کیا۔ جس میں درد بھرے دل درد سے بھری فریاد ہی کرتے رہیں۔ میں نے سُنا ہے جب دانہ مٹی کے اندر چھپایا جارہا تھا تو کہہ رہا تھا کہ ۔۔ کبھی ہماری باری بھی آئے گی اور کبھی ہم بھی مسکرانے لگیں گے

ایک دوسرے نظم جس میں اجمل صاحب پختون برادری سے مخاطب ہے فرماتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ اے پختونو! اے دیوانے پختونو۔۔۔۔۔۔ اے تہس نہس ہونے والے پختونو۔۔۔ آؤ اپنے گھر میں بیٹھ کر سر جوڑیں۔ وقت نازک ہے، جرگہ کرلیں ۔۔۔ دنیا بدل رہی ہے، اپنے آپ کو اس کے مطابق ڈھالیں اور ظلم و جور کے اس جہاں کو تبدیل کر ڈالیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ بڑے لوگ ہمارے خون سے تر و تازہ ہو گئے ۔۔۔۔ ہماری وجہ سے آسمان تک پہنچ گئے ۔۔۔ ہم غریب روٹی تک کے لیے ترستے ہیں، بھوکوں مر رہے ہیں اور کفن تک نہیں ہے۔ بھائیو! یہ اس لیے کہ ہم سوئے ہوئے ہیں۔ سوئے نہیں مرے پڑے ہیں۔ آیئے بیدار ہو جائیں اور اپنے آپ کو بدل ڈالیں ۔۔ پھر ظلم کے اس جہان کو بدل ڈالیں اور یہاں محبت کی بنیاد پر ایک نظام کی بنیاد رکھیں۔ جو انسانی شرافت کی بنیاد رکھتا ہو[۳۸]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گل پرھر

اجمل خٹک کی دوسری کتاب "گل پرھر ۱۹۸۵ء میں افغانستان میں چھپی ہے، جو اشعار پر مشتمل ہے۔اجمل خٹک نے ان دونوں مجموعوں میں پختون قوم کی بے بسی، ماضی کی شاندار تصویر اور روشن مستقبل کی تصویر کشی کی ہے۔ جیسے وہ گل پرھر میں ''تاریخی نظم'' کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

مفہوم

کل رات میں خواب میں ''سحر'' دیکھ رہا تھا اور میرے وطن میں خوشحال بابا کے جھنڈے ہر طرف لہرا رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سُرخ شعلے سے ہیں، سُرخ جھنڈے ہیں جو حسین دوشیزاؤں کے دوپٹے کی طرح نظر آرہے تھے۔تاترہ کی چوٹی پر ایمل خان کی چمکنے والی تلوار کی روشنی میں، میں نے دیکھا کہ مختلف مقامات (درہ، کڑپہ) پر وہ مغل کے خون سے سُرخ ہے۔تھوڑی دیر بعد میر ویس خان کا لشکر نظر آتا ہے اور ''میوند'' میں، میں دیکھ رہا ہوں کہ ایوب خان فرنگی کا پیچھا کر رہا ہے۔پانی پت کے میدان میں ابدالیوں نے مرہٹوں کو گھیرے میں لیا ہے'پھر ''روہتاس'' کا قلعہ نظر آتا ہے جہاں دیوانے فرید خان (شیر شاہ) کی فوج فاتحانہ داخل ہورہی ہے۔پکھلی میں، بہرام شہید کو دیکھ رہا ہوں جو سکھوں سے لڑ رہا ہے۔انگریز کابل میں شکست کھا چکا ہے۔اور ایسے بھاگ رہا ہے جیسے گیدڑ اُسے کھانے کو دوڑ رہے ہیں۔۱۹۳۰ کا زمانہ ہے اور عوام فرنگی فوج کا مقابلہ کرنے قصہ خوانی بازار میں کھڑے ہیں۔قصہ خوانی بازار پختونوں کے لہو سے رنگین ہے۔فرنگی فوج کے سامنے سُرخ لباس میں مزین پختون کھڑے ہیں جو ٹکرانے کو تیار ہیں۔فرنگیوں نے چارسدہ کو ظلم کا تندور بنا دیا ہے لیکن مقابلے میں پڑانگ (چارسدہ) سے لیکر باڑہ تک سُرخ پوش ہی سُرخ پوش ہیں۔[۳۹]

اجمل خٹک نے اپنی نظموں میں جو درس دیا ہے وہ پشتو اور پختون ولی کے ساتھ وفاداری اور زبردستوں کے سامنے نہ جھکنا ہے اُسے اپنے کلچر سے محبت ہے اور دوسروں کو اس بات پر لتاڑتا ہے کہ اپنے کلچر کو اپنا تشخص کیوں نہیں بناتے۔ جیسے وہ کہتے ہیں۔

تاسو د غیرو د کلچرپرقا کبنیے   هرڅه هیر کړل
زۀ ثقافت مود نیکۀ دغیرت رنګه ګنړم[۴۰]

(تم نے غیروں کی ثقافت کی چکا چوند میں سب کچھ بھلا دیا۔حالانکہ میں اس ثقافت کو آباؤ اجداد کے غیرت کی نشانی سمجھتا ہوں)

اجمل خٹک کے قلم کا لہجہ ایک ہی رہا ہے۔ چاہے وہ قیوم خان کا دور ہو یا ایوب خان و یحییٰ خان کا۔جیل جاتے ہوئے لکھتا ہے جس کا مفہوم ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(میرے ہاتھ میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ہیں۔ میرا سینہ زخموں سے، درد سے بھرا اور سر زخموں سے چور ہے اور میں جیل خانے جا رہا ہوں۔ خیبر! اپنی عظمت کے ساتھ مجھے دیکھ، میں نے اپنے پیچھے لاڈلے بچے اور اُجڑا ہوا مکان چھوڑا ہے۔۔۔اور میں جیل خانے جا رہا ہوں۔ میں تمھاری عزت کے تحفظ کے لیے کھڑا ہوں، اپنے خون میں رنگا ہوا۔۔۔ میں اپنا سب کچھ پشتو (غیرت) کے لیے قربان کر دینے کو تیار ہوں اور میں اُس کی محبت میں ملنگ ہوں۔[41]

گل پرھر میں اجمل خٹک نے روایتی شاعری اور انقلابیت کا حسین امتزاج پیدا کیا ہے۔ چنانچہ اس مجموعے میں شامل نظموں میں ہمیں روایتی محبت، قوم سے محبت اور انقلابی خیالات ساتھ ساتھ چلتے نظر آتے ہیں۔ ایک طرف وہ اپنے محبوب کو پکارتے ہیں تو دوسری طرف مصلحت کا شکار نہ ہونے کا عزم بھی کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

راشه دیار خیاله راشه راشه تر پنجرے زما... سپینے کړه رنګینے کړه مهیبے کړه تیرے زما

راشه د یار دخیاله نن یوازے یم تنهایمه... هر څۀ درخاردی له ستابس یوازے ستا یمه

نبے مشغولا ګانے مے له تانه قربان کړے دی... داتورے بلا تنهائی ماپه ځان منلے دی

عیش ددنیا ګئی دے که عشرت د زمانے دے... ماترے غوره کړے نول دا ستا د زمانے دے

مادمصلحت شینکی باغونه غورځولی دی... ستادلم دا غونه مے پۀ زړه پورے نیولی دی[42]

(میرے محبوب کی یاد آجا، میرے پنجرے تک آجا اور تاریکی کی یہ راتیں میرے لیے روشن بنا۔ میرے محبوب کی یاد، آج میں تنہا ہوں، میں سب کچھ تجھ پر قربان کر دینے کو تیار ہوں، آجا اچھے سے اچھے مشغلے بھی میں تجھ پر قربان کرنے کو تیار ہوں۔۔۔۔۔ میں نے مصلحت کی دنیا کو خیر باد کہہ دیا ہے۔ اور تیرے غم کے داغ اپنے دل کے ساتھ لگائے بیٹھا ہوں)

اجمل خٹک اپنی زمین اور وطن سے دیوانہ وار محبت کرتا ہے۔ اُن کی ابتدائی نظمیں اس محبت کا اظہار کچھ اس طرح کرتی ہیں۔

(اے میرے پیارے وطن (پختونخواہ) میری جان، میرے تن، تمہاری خاک کے پھول اور تمہاری خوبصورتی کی قسم تمہاری گود میں پلنے والے خاندان اور بہادروں کی قسم۔۔۔۔ یا تو میں تمہارے پاک سینے سے جبر کے ایوانوں کو ختم کر دوں گا اور غیرت کے پاک وطن، تمہارے عوام کو تم پر حکمران بنا دوں گا۔۔۔ یا پھر اپنی غیرت پر نچھاور ہو جاؤں گا تمہاری غیرت کی خاک پر تا کہ بے غیرتوں کے لیے غیرت سے پاک یہ سرزمین اور یہ نام ہی نہ رہ رہے۔ اے پختون کی عظمت، میری عزت اور غیرت)[43]

اجمل خٹک نے اپنے کلام میں وطنیت کی بات کی ہے اور معاشرہ میں رونما ہونے والے طبقاتی کشمکش کو چھیڑا ہے۔ آپ نے اپنے اشعار میں سامراج کے خلاف کُھل کر گفتگو کی ہے۔ اور معاشرہ کے ہر طبقہ کو مخاطب کر کے اس کے خلاف اُٹھنے کو کہا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجمل خٹک بحیثیت نثر نگار

اجمل خٹک کو جس طرح شاعری پر دسترس حاصل ہے، جس میں اُنہوں نے کُھل کر اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے، کچھ اس سے زیادہ جامعیت اُنکی نثر میں پائی جاتی ہے۔ آپ کا شعوری ادبی سفر تو اُسی دن شروع ہوا، جب اُنہوں نے ریڈیو پاکستان میں ملازمت شروع کی۔ وہاں ایک طرف اُن کی قوم پرستی کے نظریات پروان چڑھے، ساتھ ہی آپ کو ترقی پسند ادیبوں کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے کا موقع ملا۔ آپ نے شاعری اور نثر دونوں میں ان نظریات کا کھل کر اظہار کیا ہے۔

افسوس ہے کہ اُن کے کلام اور نثر دونوں کا کچھ زیادہ ریکارڈ دستیاب نہیں ہے۔ ''دازہ پاگل ووم'' ''ژوندادفن'' اور اُن کا ایک مقالہ جو پشتو ادب کے عنوان سے ''اٹک کے اُس پار'' میں چھپا ہے کا مختصر خاکہ درج ذیل ہے۔

دازہ پاگل ووم؟

اُن کی کتاب ''دازہ پاگل ووم'' (کیا میں پاگل تھا) سب سے پہلے اگست ۱۹۵۸ء میں منظر عام پر آئی۔ اس کتاب کی جو چیز پہلی نظر ہی میں ایک قاری کو متوجہ کرتی ہے، وہ اس کا انتساب ہے۔ ''اپنے پاگل پن کے دنوں کی یاداشت ۔۔۔ میری اُس ماں کے نام ۔۔۔ جب مجھے پبی (ضلع پشاور) تھانہ کی پولیس نے اپنے وطن اور عوام کی محبت کے الزام میں ''پاگل'' کہا ۔۔۔ اور میری ماں کو گھر میں لوگوں نے میرے غم میں پاگل پکارا ۔۔۔ لیکن میں تو اب پھر صحت یاب ہو گیا اور لکھ رہا ہوں ۔۔۔ اور وہ اُس پاگل پن کے ہاتھوں مصائب و آزمائشوں کا شکار ہو کر قبر میں پہنچ گئی۔ اُس کی قبر پر نور رہے[۴۴]

یہ کتاب ادب کا بہترین شاہکار ہے۔ اس میں فطری اور غیر فطری طور پر حوالات کے اندر پیش آنے والے واقعات کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اور چھوٹے چھوٹے واقعات کو بھی تمام تر جزئیات و تفصیلات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے تمام تر الفاظ آغاز سے اختتام تک پشتو زبان کے ہیں۔ کہیں بھی انگریزی یا اُردو کا لفظ سامنے نہیں آتا۔ یاد ماضی کی تصویر کشی ہے کہ ماضی میں ریڈیو پاکستان اور اُس سے بھی پہلے، بچپن کے واقعات جیل کی تنہائیوں میں کیسے ڈستے رہے۔ چھوٹی بہن (جو وفات پا گئی) کا ذکر، ماں کی یاد اور دیگر رشتہ داروں کے چہرے ایک ایک کر کے سامنے آتے اور ڈستے رہتے۔ پولیس، جس نے اُن کو غیر انسانی سلوک کا نشانہ بنایا اُس کی بے چارگی کا خاکہ بھی کھینچا گیا ہے کہ کس طرح وہ مجبوری کی زندگی گزارتے رہے۔

جیل میں مصروفیات کی الگ سی داستان ہے۔ جب ایک پڑھے لکھے فرد کو حوالات میں لکھائی پڑھائی کے لیے کچھ نہ دیا جائے تو وہ مصروفیات کے کتنے نئے طریقے نکالتا ہے۔ کبھی وہ چونٹیوں کو لڑاتا، کبھی بھڑوں کو مارتا ہے اور اخبارات کے پھٹے پرانے ٹکڑے اکٹھے کر کے اُسے بے تابی سے پڑھتا ہے ایام اسیری میں وقت گزاری کے لیے یہی کچھ کیا جا سکتا ہے۔ جب قید کا زمانہ ہو اور عید آجائے ۔۔۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کسی قیدی کے سامنے خوشیوں اور نعمتوں کے انبار لگا دیئے جائیں اور اُسے اس کے سامنے باندھ دیا جائے۔ وہ اُنہیں حسرت اور بے بسی سے دیکھتا ہے اور کچھ نہیں کر سکتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ژوندا و فن

یہ مقالہ دراصل پشتو اکیڈیمی پشاور یونیورسٹی کے لیے لکھا گیا تھا، وہ پروگرام نہ ہوسکا۔ اُنہوں نے بعد میں اسی نام سے اسے کتابی شکل میں چھاپا اور ساتھ ہی موجودہ دور کے ''پختون شعراء'' کا مختصر تعارف اور کلام بھی ساتھ ملا یا۔ یہ مقالہ ۵۰ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۶۱ء میں چھپا ہے۔ اس مقالہ میں آپ نے بنیادی طور پر زندگی اور فن کو آپس میں مربوط کیا ہے کہ زندگی بغیر فن کے نامکمل ہے۔ مقالے کے آغاز میں آپ نے انسانیت کے آغاز پر بحث کی ہے کہ کس طرح ''انسانیت کی ابتداء عام حالات میں ہوئی اور وہ اپنی صلاحیتوں کے زور پر اس معاشرے میں اپنا مقام بنا تا گیا۔ اُس نے دنیا میں رہنے کے لیے اپنی سہولت کی خاطر مختلف اوزار بنائے۔ آج وہ جو کچھ چاہے کرسکتا ہے جبکہ اس کے مقابل میں جانور جیسے تھے، ویسے ہی ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔'' یہ طے ہے کہ انسان میں جب تک اپنی صلاحیتوں کے استعمال، زندگی کا معیار بدلنے اور ترقی کی طرف بڑھنے کا جذبہ بیدار ہوتا رہے گا وہ آگے ہی آگے بڑھتا جائے گا اور جب یہ جذبہ سرد ہو جائے گا تو ترقی کی رفتار بھی سُست ہو جائے گی۔ میرے خیال میں آج جن اقوام میں سہولیات اور خوشحالی کی فراوانی ہے، اس کی وجہ ان کی وہ سعی و جہد ہے جس کی بدولت وہ اس مقام تک جا پہنچی ہیں۔ ورنہ دنیا میں آج بھی ایسی اقوام موجود ہیں جو اب بھی وہی پرانے زمانے کے پتھروں کے اوزار استعمال کرتی ہیں اور برہنہ پھرتی ہیں۔''

''یہ بات علماء سے سنی ہے کہ تہذیب یافتہ اقوام نے ہمیشہ غیر ترقی یافتہ اور غیر مہذب اقوام کو فتح کیا ہے۔ یعنی انسان کی ترقی تہذیب و تمدن کے عروج و زوال کے ساتھ منسلک ہے۔ لیکن یہ تہذیب و تمدن کیا ہے۔۔۔ یہ وہ احساس ہے جو کسی قوم میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ احساس زندگی کو بہترین اُسلوب پر گزارنے اور انسان کے مابین بہترین تعلقات اُستوار کرنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے''۔

تجربہ اور ضرورت انسان کے استاد ہیں۔ انسانی ارتقاء میں جتنا سبق انہوں نے سکھایا ہے وہ کسی نے نہیں سکھایا اس لیے ثابت ہوا کہ جس قوم میں ضرورت اور ایجاد کا یہ احساس جتنا قوی ہو گا وہ اُتنا ہی آگے بڑھے گی۔ کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ ضرورت، جذبہ اور احساس ایک طرف لیکن سائنس کی روشنی کے بغیر یہ رفتار آگے نہیں بڑھ سکتی۔۔۔ میں اس سے انکار نہیں کرتا۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ سائنس پر قبضہ اُنہی اقوام نے کیا ہے جن میں شعور ہو، ضرورت اور ایجاد کا جذبہ ہو۔ اگر علم اور تجربہ یہ بتا سکتا ہے کہ سمندر کی تسخیر کی جا سکتی ہے تو یہ بھی ثابت ہے کہ اس کے لیے کولمبس کا جذبہ چاہیے۔ تب ہی وہ امریکہ کو دریافت کرسکتا ہے۔۔ یہ صفتیں کیسے متحرک ہوسکتی ہیں، میں تو صاف کہتا ہوں کہ یہ کام ادب شعر اور فن ہی کر سکتے ہیں[۴۵]

پشتو ادب

اجمل خٹک کا یہ مقالہ ''اٹک کے اُس پار'' نامی کتاب میں شامل ہے۔ جو فارغ بخاری اور رضا ہمدانی کی تالیف ہے۔ یہ مقالہ ۱۰۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں آپ نے ابتداء میں پشتو زبان کے ماخذ کے متعلق دلائل دیئے ہیں۔ بعد میں پشتو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاعری، نثر وغیرہ میں تبدیلی آتی رہی ہے۔آپ نے مختلف شعراء، اُدبا اور سیاحوں کے حالاتِ زندگی اور اُن کے مواد پر بحث کی ہے۔پشتو زبان کے لیے آپ کا یہ مقالہ ایک گرانقدر خدمت ہے۔

حاصل مطالعہ

پچھلے صفحات میں کوشش کی گئی کہ اجمل خٹک، جسے پاکستان میں کوئی غدار کہتا رہا ہے تو کوئی متنازعہ فیہ شاعر، لیڈر، وغیرہ، اُس کی صحیح تصویر سامنے لائی جائے۔

اجمل خٹک ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ جہاں سے دو چیزیں آپ کو ورثے میں ملیں۔

(ا) سیاست (ب) شاعری و ادب

آپکی سیاست قوم پرست سیاست ہے اور اس سیاست کے لیے آپ نے اپنے نثر و شاعری کو وقف کیا ہے۔آپ کی ابتدائی شاعری دیکھی جائے تو اُس میں قوم پرستی کا عنصر کچھ زیادہ ہی پایا جاتا ہے۔اس کی بہت ساری وجوہات ہیں۔

(ا) قیام پاکستان کی مخالفت ''خدائی خدمتگار'' نے کی تھی۔آپ بھی اس کے رکن تھے۔

(ب) قیام پاکستان کے بعد خدائی خدمتگاروں کی صوبائی حکومت توڑ دی گئی۔جس سے اس پوری تحریک میں ردعمل پیدا ہوا۔

(ج) برسر اقتدار طبقے نے ہمیشہ خدائی خدمتگاروں، نیشنل عوامی پارٹی اور اُس کے قائدین کو مغضوب ٹھہرایا، غدار کہا اور ان کی حب الوطنی کو مشکوک سمجھا جاتا رہا۔

(د) برسر اقتدار طبقے کا اپنا رویہ قابل گرفت تھا۔وہ عوام سے مخلص نہ تھے اور ہمیشہ غیر جمہوری طریق کار اختیار کیا گیا۔اس سے پوری تحریک نفرت کی رو پر چل پڑی۔

اجمل خٹک کی شاعری کو ترقی پسند تحریک نے مزید مہمیز لگائی۔وہ اس بات پر یکسو ہوئے کہ اب واحد حل انقلاب ہے اور انقلاب بھی کمیونسٹ ہوگا۔اجمل خٹک کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ جس پارٹی سے متعلق رہے ہیں، وہ خود کو قوم پرست کہتی ہے اور کمیونزم کے بارے میں محتاط رویہ رکھتی رہی ہے۔یہی وجہ ہے کہ آپ اور پارٹی کے قائدین کی ذہنی ہم آہنگی میں بُعد رہا ہے۔۔۔مسئلہ افغانستان نے اجمل خٹک کو دوبارہ نیپ کی طرف مائل کیا۔آج کے اجمل خٹک اور ماضی کے اجمل خٹک میں واضح فرق ہے۔وہ ماضی کی پالیسوں سے جان چھڑانا چاہتا ہے اور اُنہیں جذباتی فیصلے کہتا ہے۔پاکستان واپسی کے بعد اُس کی حکمت عملی یہ رہی ہے کہ محتاط طور پر آگے بڑھا جائے۔اُن کے نظریات سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔لیکن جو گرفت اُنہوں نے برسر اقتدار طبقہ کی کی ہے وہ قابل فہم ہے۔یہ الگ بات ہے کہ علاج کا جو طریقہ وہ بتاتے ہیں وہ بھی بلآخر نفرت ہی پر منتج ہوتا ہے۔

تصانیف

آپ کی درج ذیل تصانیف شائع ہو چکی ہیں

(ا) دغیرت چغہ شاعری ۱۹۵۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲)	دازہ پاگل وم	نثر	
(۳)	ژوندا وفن	نثر، شعراء کا تعارف	
(۴)	کچکول	نثر، مضامین کا مجموعہ	۱۹۶۰
(۵)	گل پرھر	شاعری	افغانستان میں شائع ہوئی
(۶)	ژونداوخوند	شاعری	ایضاً
(۷)	دگلونوتکلونہ	غزل	یضاً
(۸)	پشتوادب	نثر	
(۹)	پشتوادب کے پچیس سال	نثر	

اس کے علاوہ آپ کے بہت سارے مقالے، سکرپٹ، ڈرامے، طنزیہ مضامین، نظمیں وغیرہ مختلف رسائل وجرائد میں چھپتے رہے ہیں جن کا کوئی ریکارڈ نہیں۔ ریڈیو پاکستان کے دور کا اکثر ریکارڈ ضائع ہوا ہے۔ افغانستان کے دور کی ۱۶ سالہ زندگی کو وہاں کے تجربات ومشاہدات کو اُنہوں نے ڈائریوں کی صورت میں محفوظ کیا ہے۔ یہ ڈائریاں ۱۳۵ سے لیکر ۱۴۰ کی تعداد میں کابل میں امانت پڑی ہیں۔ اُن کی خواہش تھی کہ ان تجربات ومشاہدات کو سائنسی انداز میں لکھ کر چھاپا جائے۔ لیکن اس دوران آپ پر اچانک بیماری کا حملہ ہوا۔ اُنہوں نے صحت یاب ہوکر "قلم برداشتہ" لکھنے کی کوشش کی اور پہلی قسط کے طور پر "قصہ زما دادبی جوند" (میرے ادبی زندگی کی کہانی) مکمل کی، جو اشاعت کے لیے تیار ہے لیکن ابھی تک منظر عام پر نہیں آسکی ہے۔[۲۶]

حوالہ جات

۱- فارغ بخاری، رضا ہمدانی اٹک کے اس پار، Nipsلائبریری، قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد، ص ص ۴۱-۴۲۔

۲- اجمل خان خٹک، اٹک کے اس پار، مقالہ زیرعنوان "پشتو ادب" صفحات ۱۸۳تا۱۸۹۔

۳- ہمیش خلیل، بخت نہ لیکوال، دوسرا ایڈیشن، ص ۳۱۷ دار التصنیف جہانگیر پورہ، بابو حیدر روڈ، پشاور شہر ۱۹۶۱ء۔

۴- ہمیش خلیل، بخت نہ لیکوال، ص ۳۱۷ جبکہ آپ نے اپنے انٹرویو میں بتایا کہ میں نے پرائمری سکول اکوڑہ خٹک کے نزدیک "بہی سکول" میں تعلیم حاصل کی۔ اُردو ذریعہ تعلیم تھا۔ اُس وقت آٹھویں کے بعد جونیئر سپیشل اور سینئر سپیشل دو طریقہ امتحانات ہوا کرتے، اُنہیں پاس کرنے کے لیے مجھے گورنمنٹ ہائی سکول پشاور میں داخل ہونا پڑا۔ (۱۴ اپریل ۱۹۸۹ء انٹرویو از اجمل خٹک)

۵- پختون، رسالہ خدائی خدمتگار تحریک کا ترجمان تھا جو ۱۹۲۸ء کو شائع ہونا شروع ہوا Quoted by Rafique Afzal, '*Political Parties in Pakistan* Vol- 1, Page 29. 1986

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶- انٹرویو از اجمل خٹک، مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۸۹ء بمقام اکوڑہ خٹک۔

۷- ہمیش خلیل نے پختانہ لیکوال کے صفحات ۳۱۷ تا ۳۳۰ لکھا کہ ۴۸۔۱۹۴۷ء کے دوران اجمل خٹک ایک ماہوار مجلّہ، عدل، کے پشتو سیکشن کے ایڈیٹر رہے۔ اجمل خٹک نے اس رسالے کا اپنے انٹرویو میں کہیں حوالہ نہیں دیا۔

۸- فرنٹیئر پوسٹ، پشاور، ۲۶ فروری ۱۹۸۸ء۔

۹- رفیق افضل، ص ۱۶۵۔

۱۰- ہمیش خلیل، بحوالہ سابقہ، ص ص ۳۱۷۔۳۳۰

۱۱- یہ نظم اجمل خٹک کی کتاب، دغیرت چغہ، کے صفحہ ۱۷ پر موجود ہے۔ اس نظم کے اقتباس میں اجمل خٹک لکھتے ہیں کہ یہ ۱۹۴۸ کی بات ہے۔ ''انگریز چلے گئے تھے اور یہ بات کراچی سے خیبر تک مشہور ہو چکی تھی۔ میں اکوڑہ خٹک سے محنت مزدوری کرنے پشاور گیا تھا۔ ایک طرف غریب لوگوں کی کسمپرسی کی حالت دیکھ رہا تھا اور دوسری طرف پشاور کے صدر روڈ اور ارباب روڈ پر ایسے لوگ دیکھنے میں آرہے تھے، جو اقتدار کے نشے میں بنگلے میں نہیں سما سکتے تھے۔ چار سال بعد، ایک رات اچانک حالات کی وجہ سے نظم کا یہ سُر یاد آیا اور یہ نظم مکمل ہوئی۔ مارچ ۱۹۵۲ء میں اکبر میموریل کالج مردان کا افتتاح ہو رہا تھا۔ وہاں صاحب اقتدار لوگ بھی بیٹھے تھے، میں نے جب یہ نظم سُنائی تو اُنہوں نے جلسہ درمیان ہی میں ختم کیا اور کچھ مدت بعد مجھے گرفتار کر کے بغیر پوچھے ۱۸ مہینے حوالات وغیرہ میں رکھا۔ مجھے بہت ذمہ دار لوگوں نے کہا کہ تمہاری گرفتاری کی وجہ یہ نظم ہے''۔

۱۲- انٹرویو، اجمل خٹک، مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۸۹ء، بمقام اکوڑہ خٹک۔

۱۳- ایضاً، انٹرویو، اجمل خٹک۔

۱۴- ڈاکٹر صفدر محمود، پاکستان کی اہم سیاسی جماعتیں، ص ۱۳۸، مقبول اکیڈمی، ۱۹۹ سرکلر روڈ چوک انارکلی، لاہور، ۱۹۸۸۔

۱۵- انٹرویو، اجمل خٹک، مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۸۹ء۔

۱۶- خان عبدالولی خان، اصل حقائق یہ ہیں، ص ص ۱۰۲۔۱۰۳ شبل پبلیکیشنز، عظمیٰ آرکیڈ مین کلفٹن روڈ دوسری منزل، کراچی، مئی ۱۹۸۸ء۔

۱۷- انٹرویو، اجمل خٹک، مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۸۹ء، بمقام اکوڑہ خٹک۔

۱۸- دوسرا انٹرویو، اجمل خٹک، بمورخہ ۲ مئی ۱۹۸۹ء، بمقام اکوڑہ خٹک۔

۱۹- انٹرویو، اجمل خٹک، مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۸۹ء، بمقام اکوڑہ خٹک۔

۲۰- ایضاً۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۱- ایضاً۔

۲۲- دوسرا انٹرویو، اجمل خٹک، بمورخہ ۲ مئی ۱۹۸۹ء، بمقام اکوڑہ خٹک۔

۲۳- پختونستان کے اس تصور میں انگریز حکمرانوں کا کردار رہا ہے۔ انڈیا آفس ریکارڈ سے گورنر سرحد اولف کیرو کا ایک خط پروفیسر وارث میر مرحوم نے تلاش کیا تھا جو اولف کیرو نے گورنر بمبئی مسٹر کالوائل کے نام لکھا تھا اور جس میں اُس نے اعتراف کیا تھا کہ پٹھانستان کا تصور خان برادران کو اُس نے دیا تھا۔ اور خان برادران نے اس تجویز پر عمل بھی شروع کر دیا ہے۔ اس خط کا عکس نوائے وقت کی ۱۸ جولائی ۱۹۸۲ء کی اشاعت میں چھپ چکا ہے۔ یہ خط ۲۲ مئی ۱۹۴۷ء کا ہے۔ (خان عبدالولی خان، اصل حقائق یہ ہیں، ص ص ۱۵۱-۱۵۲)

۲۴- دستاویزات ریڈیو پاکستان، پشاور، ۲۶، اپریل ۱۹۵۱ء، حق آواز۔

۲۵- ایضاً، ۲۷ اپریل ۱۹۵۱ء۔

۲۶- ایضاً، ۲۹ اپریل ۱۹۵۱ء۔

۲۷- احسان اللہ دانش، داعیٔ اسلام سے سرحدی گاندھی بننے تک، نوائے وقت، راولپنڈی ۲۲ فروری ۱۹۸۷ء۔

۲۸- Dr. Tahir Amin, "Ethno-Natioanl Movements of Pakistan," p: 68, 1989, Institute of Policy Studies, Islamabad.

۲۹- ڈاکٹر صفدر محمود، پاکستان کی اہم سیاسی جماعتیں، ص ۱۳۵۔

۳۰- اجمل خٹک کا انٹرویو، نوائے وقت، راولپنڈی ۲۱ جنوری ۱۹۹۱ء۔

۳۱- DR. Tahir Amin, PP-88-92 (دوسری جگہ سال 1956 درج ہے۔ نوائے وقت، راولپنڈی، ۲۱ جنوری ۱۹۹۱ء ۱۹۸۸ء کے انتخابات میں یہ Ratio مزید گر گیا اور نیپ قومی اسمبلی میں صوبہ سرحد کی 26 نشستوں میں سے صرف 2 اور صوبائی اسمبلی کی کل 80 نشستوں میں سے صرف 13 نشستیں جیت سکی۔

۳۲- انٹرویو، اجمل خٹک، مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۸۹ء۔

۳۳- اشفاق احمد، سفر در سفر، ص ۶۴، سنگ میل پبلی کیشنز، چوک اُردو بازار، لاہور، ۱۹۸۷ء۔

۳۴- اجمل خٹک، د غیرت چغہ، ص ص ۱۰-۱۶، اشاعت ۱۹۵۸ء، یونیورسٹی بک ایجنسی، پشاور۔

۳۵- اجمل خٹک، ایضاً، ص ص ۱۷-۲۷ زیر عنوان، د دیخ زلمی سندرہ۔

۳۶- اجمل خٹک، ایضاً، ص ص ۳۶ زیر عنوان، سپرلے۔

۳۷- اجمل خٹک، ایضاً، ص ص ۱۶۷-۱۷۱ زیر عنوان، یا حقتو۔

۳۸- اجمل خٹک گل پرھر، ص ص ۹۷-۱۰۵، وزارت اُمور قبائل و نشریات، افغانستان ۱۹۸۵ء۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۹- اجمل خٹک، ایضاً،ص۳، زیرعنوان ''ملگرو''۔

۴۰- اجمل خٹک، ایضاً، زیرعنوان ''قیدی''۔

۴۱- اجمل خٹک، ایضاً،ص۱۷-۱۹ ، بعنوان ''راشہ دیار خیالہ''۔

۴۲- اجمل خٹک، ایضاً،ص ص۴۳-۴۵، بعنوان ''زما خوگہ وطنہ''۔

۴۳- دازہ پاگل وم، (یہ کتاب ۲۵۹ صفحات پر مشتمل ہے۔اور یونیورسٹی بک ایجنسی، پشاور سے دستیاب ہے۔)

۴۴- اجمل خٹک، ''ژوندا و فن'' افغانستان۔

۴۵- انٹرویو، اجمل خٹک، مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۸۹ء۔

۴۶- M.Rafiq Afzal, *'Political Parties in Pakistan'*, Vol-I, P.28

انٹرویوز

۱- پختانہ لیکوال میں یہ مدت ۴ مہینے نظام پور حوالات اور ۶ مہینے پشاور جیل بیان کی گی ہے۔

۲- ایضاً، پختانہ لیکوال از ہمیش خلیل بعنوان، اجمل خٹک۔

© rasailojaraid.com